عمران سیریز
آذر تمنا
www.BooksPK.com

قیمت : -/15 روپے

بار اوّل ——— ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقراء ۱۲ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

مکالمہ!

جب شور بہت ہو تب کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ ایسے میں نرمی، آہستگی اور سوچ بچار کے ساتھ بات کرنے والوں کا بھاؤ گر جاتا ہے۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کوئی نہیں سُنتا۔ اسکے باوجود آدمی کو گلے پڑا ڈھول تو بجانا پڑتا ہے۔
اس ڈھول کا قصہ بھی عجیب ہے افریقی آدم خوروں کیلئے ڈھول کی آواز میں وحشت میں اضافے کا کام کرتی ہے۔ ہمارے ہاں دُکھوں بھرے دلوں سے نکلنے والے لوک گیتوں کو جب ڈھول (یا ڈھولک) کی تھاپ پر گاتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو اور سینوں سے دھواں نکلتا ہے۔

ایک ڈھول پھٹا ہوا بھی ہوتا ہے۔ اس کی آواز کانوں کو اذیت اور ذہن کو بیزاری کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ لیکن جب ہر طرف پھٹے ہوئے ڈھول بج رہے ہوں تو آدمی بہرا ہو جاتا ہے یا کانوں پر ہاتھ رکھ کر اس بے ڈھب بے سُری آواز کے خلاف چیخ بلند کرتا ہے "نیو یارک" کی چیخ ایک ایسی ہی چیخ ہے۔ ڈھول کس کے گلے میں ہے اور چیخ کون رہا ہے یہ بات اس ناول کا پڑھنے والا خود طے کرے گا لیکن یاد رہے یہ واقعہ امریکہ میں پیش آیا ہے۔

وہی امریکہ جو اس صدی کا "ان داتا" ہے۔ مستقبل کے کسی زمانے میں یہ ملک تاریخ کے صفحوں، اور زمین کی تہہ میں دفن ایک کہانی سے زیادہ کچھ نہ ہو گا لیکن بہر حال ان دنوں امریکہ ——— امریکہ ہے۔

آئیے! "نیو یارک کی چیخ" سنتے امریکہ چلیں!

فرش کے ساتھ چپکے ہوئے قدموں پر عمران کو اتنا زیادہ بوجھ محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے کندھوں پر ٹنوں کے حساب سے وزنی بوجھ لاد رکھا ہو۔ وہ اس وقت ایک ایسی لفٹ میں سوار تھا جو اسے لے کر ایک بتیس ۳۲ منزلہ عمارت کی بتیسویں منزل کی طرف نہایت تیز رفتاری کے ساتھ لپک رہی تھی۔

لفٹ جب اوپر کی طرف جاتی ہے تو عام طور پر قدموں پر بوجھ پڑتا ہے۔ عمران اس بات سے آگاہ تھا۔ لیکن یہ لفٹ عام لفٹوں کی نسبت زیادہ تیز رفتار تھی۔ ظاہر ہے کہ جس لفٹ کو صرف ساٹھ سیکنڈوں یعنی ایک منٹ کے اندر پہلی منزل سے بتیسویں منزل پر پہنچنا ہو۔ اس کا اس قدر تیز رفتار ہونا ایک فطری مجبوری تھی۔

عمران لفٹ میں اکیلا تھا اور اس وقت دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ برِاعظم امریکہ کے ایک جدید ترین شہر

میں داقع اس تیس منزلوں والی آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارت میں اس لئے داخل ہوا تھا تاکہ دنیا کے دو سب سے بڑے جاسوسی اداروں میں سے ایک سی آئی اے۔ کی ایک ایجنٹ خاتون سے ملاقات کر سکے۔

عمران کی اس ایجنٹ خاتون سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ وہ اس کی شکل، عادتوں اور ریکارڈ سے بالکل بے خبر تھا۔ جب وہ اپنے ملک سے روانہ ہوا تھا تو اس کے پاس صرف اپنے اپریشن کی تفصیلات تھیں اور سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کا پتہ اور بس۔ اپریشن کی تمام تر تفصیلات کسی کاغذ پر یا فائیل میں نہیں بلکہ صرف اس کے دماغ میں محفوظ تھیں۔ البتہ ہیڈ کوارٹر کا پتہ اس کی ایک مختصر سی پاکٹ ڈائری میں محفوظ تھا۔ پتہ کا اس طرح محفوظ رکھنا ایک تکلیف ہی تھا ورنہ عمران کے لئے سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچنا کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔

عمران نے لفٹ کے نمبر بورڈ پر نہایت تیزی سے بدلتے ہوئے فلور نمبروں پر ایک نظر ڈالی اور پھر لفٹ میں کھڑے کھڑے ایک قدم دروازے کی طرف بڑھایا۔ لفٹ تیسویں فلور پر پہنچ کر رک گئی تھی۔ محض دو سیکنڈ مزید لگے اور کوئی آواز پیدا کئے بغیر لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔

لفٹ سے باہر نکلنے کے لئے عمران نے اتنی تیزی اور عجلت کا مظاہرہ کیا۔ جیسے عقب سے کوئی اس پر حملہ آور ہو رہا ہو۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ عمران کی طبیعت اور مزاج کا مظاہرہ تھا۔ دو سیکنڈ فی فلور کے حساب سے جمبو جیٹ کی رفتار سے بلند ہوتے والی لفٹ میں تیسویں فلور پر پہنچ کر اس نے محسوس کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے ملک کے حساب سے اطمینان سے سنبھل کر باہر نکلنے کی کوشش کی تو اس کا خوبصورت گرے کلر کا کوٹ دوبارہ بند ہو جانے والے لفٹ کے دروازے کی لپیٹ میں آجائے گا۔ اور پھر یہ لفٹ اسے تیسویں فلور کی بجائے جانے کہاں لے جائے گی۔ لفٹ کی رفتار دیکھ کر یہ شبہ ایسا بھی غلط نہیں تھا لیکن ظاہر ہے کہ عمران کے دل میں یہ شبہ اس کی مخصوص حماقت کی رگ پھڑک اٹھنے کے باعث ہی پیدا ہوا تھا۔

لفٹ سے باہر نکل کر اس نے ایک طویل سانس لیا اور تیزی سے اپنے گالوں کو رگڑا۔ اس طرح جیسے کوئی راہ گیر راستہ بھٹک کر غلط جگہ پر پہنچ جائے اور پھر حیرت اور پریشانی کا شکار ہو جائے۔

سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کی یہ تیسویں منزل تھی۔ اس

اعتبار سے یہ جگہ اتنی بلند تھی کہ نیچے زمین پر چلنے پھرنے والے لوگ اور بے پناہ ٹریفک چیونٹیوں کے ہجوم کی ان۔ رینگتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ زمین سے ۔ندر بلند ہونے کے باوجود عمارت کے اس فلور پر بھی ان گنت آدمیوں کا ایک ہجوم تیزی سے دائیں بائیں حرکت کر رہا تھا۔ کہ یہ سارے لوگ سی آئی اے کے محکمے سے تعلق رکھنے والے تھے۔ وہ عمارت کے کواریڈار میں اتنی تیزی سے چل رہے تھے جیسے انہیں ہوائی جہاز کے چھوٹ جانے کا ڈر ہو۔ ان میں سے کچھ خالی ہاتھ تھے۔ کچھ کے ہاتھوں میں فائیلیں تھیں اور کچھ کے ہاتھ جیبوں میں ٹھنسے ہوئے تھے۔ مختلف قسم کے مغربی لباسوں میں ملبوس ان لوگوں میں اکثریت ہر قسم کے عمر کے مردوں کی کی تھی۔ خواتین البتہ جوان عمروں سے تعلق رکھتی تھیں۔

اتنے سارے لوگوں کے باوجود کوریڈور میں کسی قسم کا شور سنائی نہ دیتا تھا۔ محض قدموں کی آواز تھی یا پھر سرگوشیوں کے سبب پیدا ہونے والی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز اور بس

تقریباً تیس سیکنڈ تک لفٹ کے باہر رک کر عمران نے سامنے چلتی ہوئی اس فلم کو نہایت توجہ کے ساتھ دیکھا۔ پھر اس کا ہاتھ

تیزی سے اپنے کوٹ کی دائیں جیب میں داخل ہوا۔ ایک سیکنڈ کے بعد جب اس کا ہاتھ باہر نکلا تو اس میں وزیٹنگ کارڈ کی طرز کا ایک کارڈ نکلا۔ عمران نے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی مدد سے کاغذ کو تھاما اور اس پر نظریں دوڑائیں ہلکے نیلے رنگ کے کارڈ پر گہرے نیلے رنگ میں چھپے ہوئے الفاظ اس کے سامنے تھے

" صوفیہ الزبتھ۔ ڈپلومیٹک ایجنٹ۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر نمبر ۳۰۹

" تھری زیرو نائین از ہر آفس نمبر۔۔۔!"

عمران کے کانوں میں سی آئی اے چیف کے ایک اسسٹنٹ کی کرخت اور میکانکی آواز گونجی۔ جس نے کچھ ہی دیر پہلے ٹیلیفون پر عمران کو صوفیہ الزبتھ سے ملنے کی ہدایت کی تھی۔

کارڈ واپس جیب میں ڈال کر عمران نے سر اٹھا کر ایک بار پھر اپنے سامنے تیزی سے آتے جاتے لوگوں کو دیکھا۔ اور اچانک ہی ہاتھ بڑھا کر اپنے قریب سے گذرتے ہوئے ایک نوجوان آدمی کو رکنے کا اشارہ کیا۔

" ایکسکیوز می !"

اس نے اس جگہ کے خاص آداب کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا۔

"کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آفس نمبر ۳۰۹ کہاں ہوگا؟"

ظاہر ہے کہ جملہ اس نے انگریزی ہی میں کہا تھا۔
اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سوال نہایت سادہ اور واضح تھا لیکن اس کے باوجود اوورکوٹ میں ملبوس اس نوجوان نے اپنے سر پر دھری ہوئی فلیٹ کو ماتھے پر ذرا سا جھکا کر شک بھری نظروں سے عمران کو گھورا۔

"کیا تمہارا تعلق یہاں سے نہیں ہے۔؟"

عمران کو احتیاط کے ساتھ گھور چکنے کے بعد اس نے نہایت پُراسرار انداز میں سوال کیا۔

"نہیں جاسوس بھیا...!

عمران کے لہجے میں شدید مسکینی تھی اور یقیناً یہ جملہ اُردو ہی میں کہا جا سکتا ہے۔

"واٹ...!"

نوجوان جاسوسی نما آدمی چونک کر بولا۔ اُسے غالباً انگریزی کے علاوہ اور کسی زبان سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔

"واٹ ڈو یو سے...!" اس کی آنکھوں میں شک کا دھواں اور گہرا ہو گیا تھا۔

"مجھے صوفیہ الزنبھ سے ملنا ہے بھائی جان۔ ڈپلومیٹک ایجنٹ صوفیہ الزنبھ سے جس کے پرسنل آفس کا نمبر ۳۰۹ بتایا گیا ہے مجھے۔ کیا اس کے بارے میں تم کچھ بتا سکتے ہو؟"

"تمہیں کس نے بھیجا ہے یہاں؟"

نوجوان نے یہ سوال اس انداز میں پوچھا تھا جیسے اس نے موقعۂ واردات پر کسی مجرم کو ان کے ہاتھوں گرفتار کر لیا ہو اور اب محض اس کے اعترافِ جرم کا منتظر ہو۔

"مجھے اللہ میاں نے بھیجا ہے بھائی جان۔ میں صوفیہ الزنبھ کی روح قبض کرنے کے لئے ڈائریکٹ آسمان سے یہاں بھیجا گیا ہوں۔ اب بڑا مہربانی جلدی سے آفس نمبر ۳۰۹ کے بارے میں بتا دو تمہاری بڑی مہربانی...!"

"واٹ اے نان سنس... ہو آر یو مسٹر...!"

نوجوان نے پہلی بار بھڑک کر سرگوشی کی بجائے بلند آواز سے یہ جملہ کہا تھا۔ اس کی آواز سن کر دائیں بائیں سے گذرنے والوں میں سے چند ایک نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن ان کے قدموں کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"میں نے تمہیں بتایا نا کہ میں موت کا فرشتہ ہوں۔ جلدی سے مجھے نمبر ۳۰۹ کے بارے میں بتا دو۔ ورنہ اللہ میاں کی طرف سے مجھے ایک دو روحیں اپنی مرضی سے قبض کرنے کی خاص اجازت ملی ہوئی ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"شٹ اَپ...!"

نوجوان نے بگڑ کر تیزی سے کہا۔ اسی کے ساتھ اس کا ہاتھ ہوا میں بلند ہوا تھا لیکن پھر عمران کی گرفت نے اُسے فضا ہی اُسے منجمد کر دیا۔

"ایشیائی لوگوں سے بدسلوکی کا رویہ بے شک تمہاری عادت ہوگی نوجوان!"

عمران نے اس کی کلائی پر اپنی انگلیوں کی مضبوط گرفت کو قائم رکھتے ہوئے سرد اور کرخت آواز میں سرگوشی کی۔

"لیکن میں جس ملک سے تعلق رکھتا ہوں۔ وہاں کے لوگ اپنے وقار کی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتے ہیں۔!"

پھر اس نے جھٹکے سے نوجوان کی کلائی چھوڑ کر جیب سے نیلے رنگ کا کارڈ نکالا اور اس کی نظروں کے سامنے کر دیا۔

"اب بتاؤ کہاں ہے آفس نمبر ۳۰۹..."

جاسوس نما نوجوان نے عمران کی کرخت آواز اور بازو کی گرفت سے غیر اختیاری طور پر قوت کو محسوس کر لیا تھا۔

کلائی چھوٹ جانے پر اس نے دوسرے ہاتھ سے وہاں عمران کی انگلیوں کے نشان مٹانے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس کی ہیٹ اس کے ماتھے پر اور زیادہ جھک آئی تھی جس نے اُسے مضحکہ خیز بنانے کا کام کیا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم... آفس نمبر ۳۰۹ کے بارے میں...!"

اس نے عمران کو شکست خوردہ نظروں سے دیکھتے ہوئے رکھائی سے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ لیکن پھر چند ہی قدم چل کر وہ رُک گیا۔ اور رُک کر عمران کی طرف کینہ بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

عمران نے ایک طویل سانس لیا اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ پھر خود بخود اس کی ایک آنکھ بند ہوتی چلی گئی۔ عمران کو اپنی طرف آنکھ مارتے ہوئے دیکھ کر وہ نوجوان اپنی جگہ کھڑے کھڑے تلملایا۔ لیکن عمران اس کے ردِ عمل کا انتظار کئے بغیر ہجوم میں شامل ہو چکا تھا۔ پھر اچانک اسے احساس ہوا کہ اس نے خواہ مخواہ پوچھنے کی زحمت کی۔ کیونکہ نیم دائرے کی شکل میں بنے ہوئے اس ہیڈ کوارٹر کے کوریڈور میں بہت ترتیب کے ساتھ قیمتی لکڑی کے خوبصورت دروازوں پر نمبر درج تھے۔ تین سو چھ... تین سو سات... تین سو آٹھ اور تین سو نو...

"صوفیہ الزبتھ... ڈپلومیٹک ایجنٹ... ۳۰۹"

عمران نے سفید اُبھرے ہوئے حروف میں لکھے ہوئے الفاظ اور ہندسوں کو پڑھا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ لمحہ بھر کے لئے دروازے پر رُک کر اس نے ہینڈل یا کال بیل تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پھر ناکامی کی صورت میں اس نے بہت آہستگی کے ساتھ دروازے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا۔

کوئی آواز پیدا کئے بغیر دروازہ کھل گیا۔ اس کھلے ہوئے دروازے سے عمران نے اندر کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ اس کی نظریں کچھ زیادہ وقت لئے بغیر فرش پر بچھے کارپٹ سے ہوتی ہوئی گہرے نیلے رنگ کے کوچ پر پڑیں پھر کوچ سے ہوتی ہوئی ایک نازک خوبصورت اور چھوٹی سی میز سے گذر کر اس کے سامنے پڑی خالی کرسی پر رکیں اور اس کے فوراً بعد عمران نے جو منظر دیکھا وہ اسے بوکھلا دینے کے لئے کافی تھا۔

نہایت تیزی کے ساتھ اس نے کھلے ہوئے دروازے کو بند کرنے کی کوشش کی۔ لیکن دروازہ بند ہونے سے پہلے کمرے میں اُبھرنے والی ایک خوف زدہ نسوانی چیخ باہر نکل کر عمران کے کانوں سے ٹکرا چکی تھی۔ لیکن یہ چیخ سننے سے پہلے ہی عمران اپنا نہایت مختصر جملہ اندر پھینک چکا تھا۔ یہ وہ جملہ تھا۔ جو اندر دکھائی دینے والے منظر کے جواب میں بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا۔

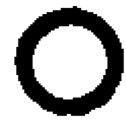
"سس... سوری!"

اس نے صرف اتنا کہا تھا اور اب بند دروازے سے پشت لگائے اس طرح گہرے گہرے سانس لے رہا تھا جیسے کسی خوف ناک بلا سے جان بچا کر بھاگ آیا ہو۔ چند

لمحوں تک وہ بوکھلایا ہوا کھڑا رہا۔ پھر زور سے اُس نے سر کو جھٹکا دیا۔

"دھت تیرے کی۔"

اس نے بے زاری اور لطف کی ملی جلی کیفیت میں کہا اور بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ البتہ زبان پر محسوس ہونے والی کڑواہٹ کا ذائقہ الگ تھا کمرے کے اندر دکھائی دینے والا منظر ہی کچھ ایسا تھا۔



یہ تقریباً تیس پینتیس سیکنڈ کا عرصہ تھا جس کے دوران عمران دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنی خواہ مخواہ پھول جانے سانس کو اعتدال پر لا رہا تھا۔ آدھے منٹ کا یہ وقفہ گذر چکنے کے بعد کسی آواز کے بغیر دروازہ ایک بار پھر کھلا اور ایک نسوانی آواز نے عجیب سے لہجے میں اُسے مخاطب کیا!

"اے مسٹر... ہو آر یو...؟"

عمران تیزی سے پلٹا اور پھر اُسی تیزی سے ایک قدم پیچھے کی طرف ہٹ گیا۔ اُس کے سامنے آفس نمبر ۳۰۹ کے دروازے پر ایک لمبے قد کی دُبلی پتلی سی سمارٹ لڑکی کھڑی تنقیدی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ عمران نے اپنی مخصوص اور بھرپور بوکھلاہٹ کے ساتھ محض اسے دیکھتے رہنا ہی مناسب خیال کیا تھا۔

"واٹ ڈو یو وانٹ مسٹر...!"

نازک اور سمارٹ سی لڑکی نے اس کی خاموشی اور تیز بوکھلاہٹ

بھری نظروں سے پریشان ہو کر اس بار ذرا کرخت آواز میں اپنا سوال دوہرایا تھا۔ عمران نے اس طرح اپنے جسم کو ہلانا شروع کر دیا جیسے وہ خود کو بہت زیادہ نروس محسوس کر رہا ہو

"مم... میرا نام عمران ہے... علی عمران... ایم ایس سی۔ پی ایچ ڈی آکسن..."

اپنا جملہ مکمل کرتے ہوئے عمران کی بوکھلاہٹ میں کچھ اس طرح کا حجاب شامل ہو گیا تھا جیسے نوعمر لڑکیاں اپنا تفصیلی تعارف کرواتے ہوئے محسوس کرلی ہیں۔ دروازے کو ایک ہاتھ سے تھام کر کھڑی ہوئی لڑکی نے اس کے چہرے پر اُبھر آنے والی لجاہٹ بھری سرخی کو بھی دیکھ لیا تھا۔ بے اختیار وہ مسکرائی۔

"اوہ... مسٹر عمران... آؤ آؤ اندر آ جاؤ... میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

عمران کی حالت دیکھ کر اس کا لہجہ ایک دم سرپرستانہ ہو گیا تھا۔

"میرا نام صوفیہ الزبتھ... ڈپلومیٹک ایجنٹ۔ سی آئی اے۔ کم ان پلیز...!"

اتنا کہتے ہوئے اس نے دروازے سے ہٹ کر عمران کے اندر داخل ہونے کے لئے جگہ بنائی تھی۔

"نن... نہیں... اندر وہ... وہ... وہ..."

عمران نے اپنی بوکھلاہٹ اور حجاب میں اب ایک خوفزدہ سی پریشانی کو بھی شامل کر لیا تھا۔ جیسے اُسے کمرے میں داخل ہونے میں کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہو۔

"اوہ ... وہ ...!"

اس بار دبلی پتلی سی لڑکی نما عورت کے چہرے پر سُرخی اُبھر آئی تھی۔

"وہ میرا دوست ہے۔ باب ٹیلر ... دراصل ... دراصل!"

پھر اپنا جملہ مکمل کرنے کی کوشش ادھوری چھوڑ کر اس نے پلٹ کر اندر کی طرف دیکھا۔ اس مختصر سے وقفے میں اندر کی طرف دیکھتی ہوئی لڑکی کے کندھوں کے اُوپر سے نظریں دوڑاتے ہوئے عمران نے بھی اندر جھانکا تھا اور اس کی نظروں نے اس آدمی کا جائزہ لے لیا تھا۔ جو نازک سی میز کے قریب کوچ پر بیٹھا نہایت غور سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یقیناً وہ عمران اور صوفیہ کے درمیان ہونے والی تمام تر گفتگو بھی سُن چکا ہو گا۔

جوں ہی عمران کے ساتھ اس کی نظریں ملیں۔ وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی جگہ سے اُٹھ کر وہ دروازے کی طرف ہی بڑھا۔ صوفیہ الزبتھ کے نزدیک پہنچ کر وہ رُکا اور مسکراتی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا۔ اسی دوران میں اس کا سیدھا ہاتھ پتلون

کی جیب میں گیا تھا اور جب ہاتھ باہر نکلا تو اس میں ایک چھوٹا سا اور نہایت خوبصورت نازک سا بروچ تھا۔ یہ بروچ اس نے دونوں ہاتھوں سے صوفیہ کے گہرے نیلے رنگ کے لیڈیز کوٹ کے کالر میں لگایا۔ صوفیہ اس دوران میں دروازے کو اُسی طرح تھامے ہوئے کھڑی رہی تھی۔

بروچ کالر میں لگانے کے بعد اس نے غالباً الوداعی نظروں سے صوفیہ کی طرف دیکھا تھا۔ ان الوداعی نظروں میں کوئی مخصوص مطالبہ تھا۔ صوفیہ کے چہرے پر گہری ہونے والی سرخی کو عمران نے اپنی قوتِ تخیل کے تحت خوب اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ صوفیہ نے باب ٹیلر نامی اپنے دوست کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر دروازہ کچھ اور کھول دیا تھا۔ اور باب ٹیلر کے باہر نکلنے کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔ اس کے انداز میں ہلکی سی بوکھلاہٹ اور عجلت کو صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔ شائد عمران جیسے ایک قطعی اجنبی شخص کے سامنے اپنے دوست باب ٹیلر کا کوئی مطالبہ پورا کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

اس آدمی نے صوفیہ کے اس انداز پر پہلی مرتبہ چونک کر سر اٹھایا اور لاتعلق سی نظروں سے عمران کی طرف دیکھا۔ صرف ایک لمحہ ... لیکن صرف اس ایک لمحے ہی میں عمران کو پتہ چل گیا تھا کہ اس کی یہاں اس وقت آمد اور موجودگی۔ دونوں

ہی اس شخص کو قطعی طور پر پسند نہیں آئی لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ بلکہ کمان سے نکل کر سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے آفس نمبر ۳۰۹ کے دروازے سے ٹکرا چکا تھا۔ عمران کے لئے اس ساری گڑبڑ کے باوجود واپس لوٹ جانا ناممکن تھا۔

"آل رائٹ ڈارلنگ... آئی ایم گوئنگ..."

باب ٹیلر نے قدرے ناراض سی آواز میں کہا۔

"اور کے باب... میں تمہیں ٹیلی فون پر بتا دوں گی کہ آج کا ڈنر۔"

"آل رائٹ..." باب ٹیلر نے اپنی ناراض سی آواز میں دوبارہ کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ باہر نکل کر اس نے لمحہ بھر کو رک کر عمران کی آنکھوں میں جھانکا اور عمران بوکھلا کر ذرا سا پیچھے کی طرف ہٹ گیا۔

"اندر آجاؤ مسٹر عمران... مجھے ابھی کچھ دیر پہلے ٹیلیفون پر تمہاری آمد کے بارے میں اطلاع مل چکی ہے۔"

اور ڈپلومیٹک ونگ کے ڈپٹی چیف کے ساتھ میری ایک میٹنگ بھی ہو چکی ہے۔ جس میں مجھے آپریشن کے بارے میں بتایا گیا تھا جس کے تحت تم یہاں...

"یہ آدمی کون تھا؟"

عمران نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اچانک سوال

سوال کیا۔ صوفیہ عمران کے آگے آگے اپنی نازک سی خوبصورت میز کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عمران کا سوال سن کر وہ رک گئی پھر پلٹ کر اس نے غور سے عمران کی طرف دیکھا۔

"کون آدمی...؟"

اُسے سنجیدگی سے شروع کی ہوئی اپنی بات کے کٹ جانے پر کچھ اچھا محسوس نہیں ہوا تھا۔

"کیا تم باب کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟"

"وہ آدمی جو ابھی ابھی تمہارے کمرے میں موجود تھا اور تمہارے ساتھ..."

عمران اپنا جملہ مکمل کرتے کرتے رک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ صوفیہ کے چہرے پر ایک دم خجالت اور پریشانی کے جذبات اُبھر آئے تھے۔

"وہ باب ٹیلر ہے... ہی از مائی فرینڈ... وزارتِ داخلہ میں افسر ہے۔ ہم جلد ہی شادی کرنے والے..."

اس بار صوفیہ نے اچانک ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر چبھتی ہوئی نگاہوں سے عمران کا جائزہ لیا۔

"لیکن تم اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو مسٹر عمران! میرے خیال میں ہمیں ذاتی معاملات پر گفتگو کرنے کی بجائے اصل موضوع پر آنا چاہیے۔ جس کے سلسلے میں تم اپنے ملک سے

ہمارے ملک میں اور پھر یہاں میرے آفس تک آئے ہو۔ میرا مطلب ہے وہ آپریشن جو . . . "

"سوری . . . سوری مس صوفیہ الزبتھ۔"

ایک دم عمران نے اس طرح کہا جیسے وہ اپنے سوال پر واقعی شرمندہ ہو۔ لیکن اس کے فوراً بعد اس نے جو سوال کیا وہ صوفیہ کا غصّہ تیز کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔

"تم اس باب ٹیلر کو کب سے جانتی ہو مس صوفیہ . . میرا مطلب ہے تمہارا دوست کب سے تمہیں مِل رہا ہے۔"

"تم ایک ایسے موضوع پر گفتگو کر رہے ہو مسٹر عمران جس کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ براہِ کرم اپنے آپریشن کے بارے میں تفصیلات طے کرنے پر توجہ دو۔ ویسے بھی میں اپنے ذاتی معاملات میں کسی کی مداخلت کو سخت ناپسند کرتی ہوں . . . !"

"آپریشن کی تفصیلات طے کرنے میں ابھی پوری عمر پڑی ہے مِس صوفیہ . . ."

عمران نے یہ جملہ احمقانہ جذباتی پن کے ساتھ ہی کہا تھا۔

"لیکن جو سوال میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ ان کے جواب کی فوری اہمیت ہے۔ ممکن ہے بعد میں یہ سوال کرنے کی فرصت نہ ملے۔ اور مجھے ساری عمر افسوس ہوتا رہے۔"

آخری جملہ کہتے ہوئے عمران کی آنکھوں میں ایک عجیب سی مظلومیت بھری چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس دوران میں اس نے ٹائی کی گرہ کو درست کرتے ہوئے اپنے جسم کو اس طرح حرکت دی تھی جیسے کمرے کے سامنے کھڑے ہو کر باقاعدہ کسی پوز میں تصویر اُتروانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ صوفیہ بے چینی۔ کوفت اور اُلجھن کے ساتھ اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہی تھی۔

"آخر تمہارا کیا مطلب ہے مسٹر عمران . . . ؟"

وہ تڑخ ہوتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"باب ٹیلر کے بارے میں سوال کرنے اور ان کے جواب مانگنے میں آخر تمہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ؟"

"میں باب ٹیلر میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا مس صوفیہ الزبتھ"

عمران نے عجیب سی نظروں سے صوفیہ نامی اس نازک، خوبصورت اور سمارٹ لڑکی کی آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے کہا۔ لڑکی بُری طرح سٹپٹا گئی۔ عمران نے یہ جملہ فلمی ہیرو کے انداز میں ادا کیا تھا۔ جو صوفیہ کو بات کی تہہ تک پہنچانے کے لئے بہت کافی تھا۔

"تت . . . تم کیا چاہتے ہو مسٹر عمران . . . ؟"

دنیا کے امیر ترین ملک کی جدید ترین تہذیب میں پلی ہوئی

سی آئی اے کی ڈپلومیٹک ایجنٹ لڑکی عمران کے اس اچانک رویے پر بری طرح بوکھلا گئی تھی۔

"مم... مس... مم... میں..."

عمران نے نہایت لجاتے ہوئے یہ جملہ کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا بدن اس طرح بل کھا گیا تھا جیسے شدید شرم و حجاب کی لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ پھر اس نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلی کو دوسرے ہاتھ سے اس طرح مروڑنا شروع کر دیا تھا۔ جیسے مشرقی لڑکیاں دوپٹے کے پلو اپنی انگلیوں پر لپیٹتی ہیں۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور کان کی لویں تو باقاعدہ شعلوں کی طرح دہک اٹھی تھیں۔

"اوہ... مسٹر عمران..."

صوفیہ شدید پریشانی کے عالم میں اپنی نازک سی میز کی پرلی طرف چلی گئی تھی۔ اپنی ریوالونگ چیئر پر بیٹھتے ہوئے اس نے ہاتھ کے اشارے سے عمران کو میز کی دائیں جانب پڑے ہوئے کوچ پر بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ دراصل اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے سامنے کھڑے ہوئے عمران نام کے اس آدمی کے بارے میں کیا رائے قائم کرے۔ اپنی اب تک کی پرفارمنس سے تو وہ سوائے ایک دل پھینک رومانی نوجوان کے اور کچھ معلوم نہ ہو رہا تھا۔

پھر اب خالص لڑکیوں کے انداز میں شرمانے کا انداز بھی صوفیہ کو الجھن میں ڈال رہا تھا۔ سیکرٹ آپریشن پر دور دراز کے ملک سے یہاں آنے والا یہ سمارٹ سا خوبصورت سا نوجوان درحقیقت کون ہے۔ اس کے بارے میں خود صوفیہ کو بھی زیادہ معلومات نہ تھیں۔ لیکن سی آئی جیسے ادارے میں ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے ہوئے وہ اتنا تو خوب جانتی تھی کہ اس کے سامنے گرے کلر سوٹ میں بیٹھا ہوا یہ نوجوان اس قدر بے وقوف اور احمق بھی نہیں۔ جتنا وہ اپنی حرکتوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔

"مسٹر عمران کیا آپ اصل موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے تیار ہیں۔؟"

عمران کو بری طرح شرماتے لجاتے دیکھ کر صوفیہ الزبتھ نے الجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"یے... یس... یس! وائے ناٹ!"

عمران کے منہ سے مُرکی مُرکی سی شرمائی ہوئی آواز نکلی اس وقت اس کے گفتگو کرنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی بہت ہی سیدھی سادی لڑکی اپنی شادی کے بارے میں باتیں کرتی ہوئی شرما رہی ہو۔!"

"اوہ! مائی گاڈ..."

صوفیہ نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ پھر وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا لیکن یہ سرخی شرم و حجاب کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ عمران کے بے تکے پن پر شدید غصے کے نتیجے ہی میں تھی۔

"تم جا سکتے ہو عمران ...!"

صوفیہ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر واضح انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تمہیں سیکرٹ سروس میں ہونے کی بجائے ہالی وڈ کی فلموں میں ہونا چاہیئے تھا۔ تم صرف ایک کامیڈین ہی ہو سکتے ہو۔ پلیز گیٹ آؤٹ آف مائی آفس!"

لڑکی کے لہجے میں غصہ تھا اور حکم تھا۔ عمران نے اسی طرح شرماتے ہوئے صوفیہ کی طرف دیکھا جو اس وقت ایک نوجوان لڑکی کی بجائے کسی سکول کی خرانٹ استانی کی طرح عمران کو ڈانٹ پلا رہی تھی۔

صرف ڈانٹ ہی نہیں بلکہ وہ اسے اپنے کمرے سے نکلنے کے لئے بھی کہہ چکی تھی۔

"کک ... کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے مس صوفیہ .. مم میرا مطلب ہے کیا میں باب ٹیلر سے زیادہ سمارٹ نہیں ہوں۔ میری امی تو کہا کرتی تھیں۔ کہ میرا بیٹا دنیا کا سب

سے خوبصورت بیٹا ہے۔ لل ... لیکن آپ ...!"

"آئی ایم ناٹ یور مدر مسٹر عمران ..."

صوفیہ کی آواز سخت غصے سے بھری ہوئی تھی۔

"تم ایک سنجیدہ آدمی نہیں ہو۔ حیرت ہے کہ تمہاری سیکرٹ سروس نے تمہیں کس طرح اس آپریشن پر بھیج دیا۔ تم جس آدمی کو گرفتار کرنے کے لئے یہاں آئے ہو وہ اتنا خوفناک ہے کہ تمہارے جیسے آدمی تو محض اس کے بارے میں سوچ کر ہی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ کیا تمہاری سیکرٹ سروس میں سب لوگ تمہارے ہی جیسے ہیں۔ میرا مطلب ہے اتنے ہی بے وقوف، احمق اور کلاؤن ٹائپ ... جیسے تم ہو۔!"

"تت ... تم نے مجھے کلاؤن کہا ...؟"

ایک دم عمران بپھر گیا۔

"کیا میں تمہیں مسخرا نظر آتا ہوں۔ پہلے تم مجھے فلموں کا کامیڈین کہہ رہی تھیں۔ اب مسخرا کہہ رہی ہو ... کیا مطلب ہے تمہارا۔ کیا تمہارے ملک میں مہمانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے۔!"

وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر غصے اور شرمندگی کے آثار تھے۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے

صوفیہ کی گفتگو نے واقعی اُسے غصّہ دلا دیا ہو۔!"

"میں اِس موضوع پر کوئی گفتگو کرنا نہیں چاہتی مسٹر!"

صوفیہ ابھی تک ہاتھ دروازے کی طرف اٹھائے ہوئے کھڑی تھی۔

"تم اب یہاں سے جا سکتے ہو۔ میں چیف سے خود بات کر لوں گی۔۔۔۔ تمہارے جیسے آدمی کے ساتھ مِل کر تو کوئی پاگل ہی کام کر سکتا ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو پھر تم ہی کیوں نہیں مِل جاتیں میرے ساتھ۔"

عمران نے احمقانہ غصّے پن کے ساتھ کہا۔ پھر اس کے ساتھ ہی اس نے اردو میں یہ مصرعہ پڑھا۔ خوب گزرے گی جو مِل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ صوفیہ کو اُردو نہیں آتی تھی۔ ورنہ وہ یقیناً اُس کے جواب میں کوئی دیوانگی کی حرکت کرنے پر ہی مجبور ہو سکتی تھی۔

"شٹ اپ۔۔۔ میں پاگل نہیں ہوں!"

صوفیہ کا پارہ آسمان پر پہنچ چکا تھا۔

"اینڈ دس از مائی لاسٹ وارننگ۔ تم فوراً میرے دفتر سے نکل جاؤ ورنہ!۔۔۔"

"ورنہ۔۔۔!" عمران کا انداز لڑاکا عورتوں کا ہی تھا۔

"ورنہ کیا کر لو گی تم۔۔۔؟"

"ورنہ تمہیں شوٹ کرتے ہوئے مجھے کوئی احساسِ جرم نہیں ہوگا۔"

صوفیہ نے اُونچی آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی نہایت پھرتی کے ساتھ اس نے میز کی ادھ کھلی دراز میں سے ریوالور نکالنے کا مظاہرہ بھی کر دیا تھا۔

"کر دو۔۔۔ کر دو مجھے شوٹ۔۔۔ تم جیسی خوبصورت اور بے وقوف لڑکی کے ہاتھوں مرنا مجھ جیسے خوبصورت اور بے وقوف آدمی ہی کا حق ہے۔ چلاؤ۔۔۔ چلاؤ گولی!"

"اوہ۔۔۔ تم۔۔۔ پاگل آدمی۔۔۔!"

صوفیہ نے وحشیانہ انداز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی کمرہ ریوالور چلنے کی آواز سے بھر گیا تھا۔ گولی صوفیہ کے ریوالور سے ہی چلی تھی۔ اس کے نشانے پر عمران کی داہنی کنپٹی ہی تھی لیکن محض پانچ فٹ کے فاصلے سے چلائی ہوئی گولی بھی نشانے پر بیٹھنے سے محروم رہی تھی۔

فرش پر پڑے ہوئے موٹے کارپٹ کو چھیدتی ہوئی تقریباً پینتالیس درجے کا زاویہ بناتی ہوئی گولی فرش سے ٹکرا کر دوبارہ اُوپر کو اُٹھی تھی اور براہِ راست لکڑی کے مضبوط دروازے کے آہنی ہینڈل سے جا ٹکرائی تھی۔

ہینڈل ایک چھناکے سے زمین پر گرا اور اس کے ساتھ ہی عمران دروازے کی طرف بھاگا...

"بب... باپ رے... وہ بوکھلاہٹ بھری آواز میں کہہ رہا تھا۔

"تم لڑکی ہو یا ہلاکو کی بیٹی"

دروازے کے نزدیک پہنچ کر اس نے رکتے ہوئے یہ جملہ اچھالا تھا۔ یہ جملہ صوفیہ کو چڑانے کے لئے کہا گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ ریوالور کا استعمال کرتی۔ عمران کمرے سے باہر نکل چکا تھا۔ لیکن جوں ہی دروازے سے نکل کر اس نے کوریڈور میں قدم رکھا۔ اچانک اس پر حیرت اور تعجب کا ایک اور دروازہ کھل گیا۔

باب ٹیلر دروازے کے عین سامنے کھڑا تعجبانہ نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ لیکن اس بار وہ اکیلا نہیں تھا اس کے ہمراہ وہ نوجوان جاسوس نما آدمی بھی تھا جس سے عمران نے آفس نمبر ۳۰۹ کا پتہ پوچھا تھا۔ اور جس کی کلائی پر شائد ابھی تک عمران کی انگلیوں کے نشان موجود تھے۔

○

شفاف آئینے کی طرح چمکتے ہوئے کوریڈور میں لوگوں کا وم اسی طرح تیز رفتاری کے ساتھ رینگ رہا تھا۔ لیکن ب ٹیلر اور اس کے ساتھ کھڑا ہوا آدمی سخت نظروں ے عمران کو گھورتے جا رہے تھے۔ عمران نے اپنے مخصوص ت بھرے انداز میں جلدی جلدی آنکھیں جھپکیں۔

"فف... ففت... فائر..."

اس نے ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کھلاہٹ بھری آواز میں کہا۔ باب ٹیلر ایک جھٹکے سے آگے ھا۔ پھر اس نے ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ کھول کر در داخل ہونے میں بہت تیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ب کے دروازے میں داخل ہوتے ہی عمران نے سہمی وئی نظروں سے دائیں بائیں آتے جاتے لوگوں کو دیکھا۔ ں لگتا تھا۔ جیسے وہ اس جاسوس نما نوجوان کی تیز چبھتی وئی نظروں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں مصروف ہو

"تم یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو مسٹر؟"

چند لمحوں تک عمران کی بوکھلاہٹ بھری حرکتوں کا جائزہ لینے کے بعد اُسی نوجوان نے کھُردری اور سخت آواز میں سوال کیا۔ وہ براہِ راست عمران کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کک... کچھ نہیں... خدا کی قسم کچھ نہیں... فف... فائر تو اس نے خود کیا تھا۔ میں نے نہیں... بس معمولی سی بات تھی۔ میں نے کہا میں باب ٹیلر سے زیادہ سمارٹ اور خوبصورت ہوں۔ بس اسی پر وہ بگڑ گئی۔"

"تمہیں پتہ ہے یہ سی آئی اے کا ہیڈ کوارٹر ہے کوئی رومانس پلازہ نہیں...."

نوجوان ذہین اور چالاک معلوم ہوتا ہے۔ عمران نے اس کا اندازہ اس کے ایک ہی جملے سے لگا لیا تھا۔

"تت... تم غلط سمجھ رہے ہو بگ برادر!"

عمران نے شکست خوردہ سی آواز میں کہا۔

"میں تو ایک آپریشن کے سلسلے میں ملنے آیا تھا۔ اس عوت سے لیکن جب... جب میں نے دروازہ کھولا تو وہ اندر اپنے بوائے فرینڈ... کیا نام ہے اس کا... ہاں باب ٹیلر کے ساتھ کھڑکی کے نزدیک کھڑی تھی اور...

اور..."

عمران نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور ذومعنی نظروں سے اس کھُردرے مزاج کے نوجوان آدمی کی طرف دیکھا۔ اس دَوران میں عمران کے چہرے پر شرم و حیا اُبھر آئی تھی۔

"....!"

"اور... اور کیا...؟"

اس نوجوان نے عمران کی آنکھوں میں چھپے ہوئے ذومعنی مفہوم کو سمجھ کر ایک دم دلچسپی کے ساتھ پوچھا تھا۔

"وہ... وہ کیا کر رہی تھی کھڑکی کے پاس... بب بتاؤ!"

نوجوان کا کھُردراپن ایک دم غائب ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ مغربی مزاج کا نمائندہ ایک نوجوان ایک لڑکی کے بارے میں کوئی خاص بات جاننے کا منتظر تھا۔

"مجھے شرم آتی ہے بتاتے ہوئے۔"

عمران نے سر جھکا کر اس انداز میں کہا جیسے بیان کیا جانے والا واقعہ صوفیہ کا نہیں بلکہ خود اس کا اپنا ہو...!"

"اس میں شرم کی بات ہے۔ بتاؤ نا۔ بتاؤ کیا دیکھا تم نے..."

اچانک عمران کے پیچھے دروازہ کھلا اور باب ٹیلر سکرٹری

ہوئی آنکھوں کے ساتھ باہر نکلا۔

"بہتر یہی ہے مسٹر... کہ تم فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

اُس نے اکھڑ اور درشت آواز میں عمران کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"جس جگہ اس وقت تم کھڑے ہو۔ یہاں سے پوری دنیا میں ہونے والی دہشت ناکی اور آگ اور خون کے کھیل کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ صوفیہ نے مجھے بتایا ہے کہ تم مشرق بعید کے کسی ملک کی سیکرٹ سروس سے تعلق رکھتے ہو۔ اور یہاں اپنے ملک سے بھاگے ہوئے ایک مجرم کو گرفتار کرنے آئے ہو۔ جس میں سی آئی اے تمہاری مدد کرے گی اور صوفیہ سے تمہاری ملاقات اسی سلسلے میں تھی۔ لیکن ایک بات یاد رکھو مسٹر

"تم اپنے مجرم کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوتے ہو یا نہیں اس میں مجھے صوفیہ کو اور شائد خود سی آئی اے کو بھی کچھ زیادہ دلچسپی نہیں۔ تمہیں صرف اپنے کام سے کام رکھنا ہو گا۔ اگر تم نے کسی اور معاملے میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی تو سوائے اپنے دشمنوں کی تعداد بڑھانے کے تم کچھ بھی حاصل نہیں کر سکو گے۔ تم دنیا کے ایک پس ماندہ ملک کے رہنے والے ہو۔ لیکن یہ دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک ہے

یہاں کسی بھی قسم کی غیر اخلاقی اور غیر قانونی حرکت کا جواب بہت جلدی مل جاتا ہے کیا سمجھے ؟"

عمران کی آنکھوں میں کسی مکار شکاری کی طرح جھانکتے ہوئے باب ٹیلر نے اسے دھمکیوں سے بھرا ہوا طویل لیکچر پلا دیا تھا۔ عمران آنکھیں جھپکتا پریشانی اور شرمندگی کا مظاہرہ کرتا ہوا خاموش کھڑا تھا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔"

باب ٹیلر نے یہ جملہ عمران کی بجائے اس کے پیچھے کھڑے ہوئے جاسوس نما نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ البتہ اس جملے کا مخاطب عمران ہی تھا۔

"تھ... تھ... تھینک یو سر!"

عمران نے عجیب ہونقوں کے انداز میں بوکھلاہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر اس نے پلٹ کر اس نوجوان کی طرف دیکھا تھا جو بے رحم اور سفاک نظروں سے مسلسل اُسے گھور رہا تھا۔

"گڈ بائی بگ برادر!"

عمران نے بے وقوفوں کی طرح مصافحے کے لئے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ لیکن نوجوان نے کوئی حرکت نہیں کی تھی۔

«آل رائیٹ ! بائی بائی !»

مصافحے کے لئے بڑھایا ہوا اپنا ہاتھ ناکامی کے ساتھ واپس کھینچتے ہوئے عمران روتی ہوئی آواز میں کہا اور پھر آگے بڑھنے کے لئے قدم اٹھایا۔ اس کے قدم اٹھاتے ہی نوجوان نے بھی حرکت کی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ عمران کو اسی طرح روانہ کر دینے کے حق میں نہ ہو لیکن فوراً ہی باب ٹیلر نے اس کا بازو تھام کر آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے رک جانے کا اشارہ کر دیا۔

"اسے جانے دو جیک!"

باب ٹیلر نے سپاٹ آواز میں کہا۔ جیک نامی نوجوان ایک بار پھر اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا۔ لیکن اس کی نظریں برابر عمران پر جمی ہوئی تھیں۔ عمران تین چار قدم چل کر رک گیا اور پھر پلٹ کر اس نے جو حرکت کی وہ جیک کو سیخ پا کرنے والی ہی تھی۔

"یو بلڈی ایسٹرن ...!"

جیک کے منہ سے نکلی ہوئی یہ سرگوشی باب ٹیلر کے علاوہ آس پاس سے گزرتے ہوئے چند اور لوگوں نے بھی سنی ہو گی۔ لیکن عمران نے جیک کی طرف دیکھ کر آنکھ مارتے ہوئے تیزی سے آگے کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے لہذا

وہ نہیں جانتا تھا کہ جیک پر کیا گزر رہی ہے.. جیک نے عمران کی حرکت دیکھ لی تھی۔ لیکن وہ بھی محض اپنے دانتوں پر دانت جما کر عمران کو جاتے ہوئے دیکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عمران اس ملک میں براہ راست حکومت کا مہمان ہے اور وزارتِ داخلہ کے افسر کی حیثیت سے جانتا تھا کہ وہ مجبور ہے۔

کوریڈور میں دو منٹ تک لوگوں کے درمیان چلتے رہنے کے بعد عمران لفٹ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے آگے قطار میں پہلے سے پانچ افراد موجود تھے۔ جن میں سے چار گورے اور ایک کسرتی بدن کا افریقی تھا۔ محض سیکنڈوں کے انتظار کے بعد لفٹ کا دروازہ کھلا اور آگے پیچھے وہ سب لفٹ میں سوار ہو گئے۔

چاروں گورے سپاٹ اور کھردرے چہروں کے ساتھ سلے ہونٹ لئے کھڑے تھے۔ ان کے ماتھوں پر بل اور آنکھوں میں گہری سوچوں کے سائے تھے۔ افریقی البتہ لاپرواہی سے لفٹ میں نصب شیشے میں اپنا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

گراؤنڈ فلور پر پہنچ کر لفٹ سے باہر نکلتے ہوئے عمران نے ان چاروں گوروں کو دیکھا۔ وہ یقیناً سی آئی اے کے ایجنٹ

رہے ہوں گے۔ ان کے چہروں سے ٹپکتی ہوئی وحشت اور سنجیدگی سے عمران یہ ہی جان پایا تھا۔

گراؤنڈ فلور کی لمبی راہ داری سے گزر کر شیشے کے خود کار دروازے میں سے باہر نکلتے ہوئے عمران نے نزدیکی ٹیکسی سٹینڈ کا رُخ کیا۔ کیونکہ ابھی تک اس کو کوئی گاڑی فراہم نہیں ہو سکی تھی۔

اگلے دس منٹ کے بعد وہ ایک خوش مزاج ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ گپیں لگاتا ہوا اپنے ہوٹل کی طرف جا رہا تھا۔ لیکن پھر اچانک ہی اس کی نظر عقبی شیشے پر پڑی اور اس نے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ ڈرائیور کے کندھے پر رکھ دیا۔

"میں فی الحال ہوٹل جانا نہیں چاہتا مسٹر..."

عمران نے نرمی کے ساتھ ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم مجھے کسی پُرسکون اور اچھے سے پارک میں لے جا سکتے ہو؟"

"اوہ! کیوں نہیں جناب!"

ٹیکسی ڈرائیور نے خوش دلی کے ساتھ کہا۔ وہ جان چکا تھا کہ عمران ایک غیر ملکی ہے۔ اس کے خیال میں عمران کے پروگرام میں تبدیلی محض تفریح کے خیال سے پیدا ہوئی تھی۔

لیکن عمران عقبی شیشے پر نظریں جمائے ہوئے سوچ رہا تھا کہ سُرخ رنگ کی شیورلیٹ کار کا اس طرح تعاقب کرنے سے آخر کیا مقصد ہے۔ یہ شیورلیٹ کار اس نے ٹیکسی میں سوار ہونے سے پہلے سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے نزدیک کھڑی ہوئی دیکھی تھی۔ پھر ٹیکسی سٹینڈ کی طرف آتے ہوئے اس نے آہستگی سے رینگتے ہوئے اسے سٹینڈ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا اور ان گنت موڑ کاٹ چکنے کے باوجود وہ ٹیکسی کے تعاقب میں چلی آ رہی تھی۔

"کیا یہ شیورلیٹ کار واقعی میرے تعاقب میں ہے۔؟"

عمران نے خواہ مخواہ کے پیدا ہونے والے شبے کو دور کرنا چاہا۔

"میں اچھی قسم کے سگار خریدنا چاہتا ہوں!"

عمران نے ایک بار پھر ٹیکسی ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"براہِ کرم ٹیکسی کسی ڈیپارٹمنٹل سٹور پر روک دینا۔"

"آل رائٹ سر!"

ٹیکسی ڈرائیور کا لہجہ پیشہ ورانہ خوش مزاجی کا بھرپور مظاہرہ کر رہا تھا۔ پھر صرف ایک منٹ کے بعد ٹیکسی کئی منزلہ ڈیپارٹمنٹل سٹور کے سامنے کھڑی ہو چکی تھی۔

"صرف دو منٹ...!"

عمران نے ٹیکسی کا دروازہ کھولتے ہوئے ڈرائیور کو اطلاع دی۔

"آل رائٹ سر! میں آپ کا انتظار کرتا ہوں!"

ڈرائیور نے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر خود بھی باہر نکلتے ہوئے کہا۔

سٹور کے اندر داخل ہونے کے دوران میں عمران نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دن کی روشنی کے باوجود سٹور رنگ برنگی روشنیوں سے جگ مگ کر رہا تھا۔ خریداروں میں مردوں کی نسبت عورتوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ عمران داخلی دروازے سے گذرتا ہوا سیدھا نکلتا چلا گیا۔ بھیڑ کے درمیان خود کو اچھی طرح گم کر دینے کے بعد اس نے باہر کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اُسے سُرخ سپورٹس کہیں دکھائی نہیں دی۔ اس نے اپنے دل میں پیدا ہوتے والے شبے پر خود کو دل ہی دل میں بُرا بھلا کہا اور پھر تیزی سے ایک کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

"مجھے صرف چیونگم کا ایک پیکٹ چاہیے۔!"

اس نے بڑی عمر کی ایک سجی سجائی "سیلز گرلز" کو نہایت شائستگی کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جسٹ اے منٹ سر!"

عورت نے سر کو ہلکا سا خم دے کر مسکراہٹ کے ساتھ کہا پھر اس نے پلٹ کر اپنی پشت پر بنے ہوئے ریک کا شیشہ پرے ہٹایا اور چیونگم کا پیکٹ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

"کوئی اور چیز جناب!"

عورت نے دلچسپ نظروں سے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے مخصوص انداز میں کہا۔

"فی الحال اس چیونگم کا شکریہ میڈم۔"

عمران نے وہیں کھڑے کھڑے پیکٹ میں سے ایک ٹکڑا نکال کر منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

عورت نے سر کو خم دے کر جلدی سے کاغذ پر کچھ گھسیٹ کر بل اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ کیش کاؤنٹر پر بل کی ادائیگی کرنے کے بعد عمران جلدی سے باہر نکلا۔ کیونکہ اس وقت اس کا ذہن اَن گنت خیالوں کی پناہ گاہ بنا ہوا تھا۔

باہر نکل کر اس نے ٹیکسی کی طرف بڑھتے ہوئے بے دھیانی کے ساتھ دور تک نظر دوڑائی۔ اور بے اختیار اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ دُور آگے کچھ فاصلے پر سُرخ شیورلیٹ سڑک کے کنارے رُکی ہوئی تھی اور اس کی باڈی سے کمر ٹکائے ہوئے ایک کسرتی بدن کا افریقی غور سے ڈیپارٹمنٹل

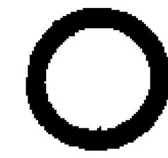
سٹور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی افریقی تھا جسے عمران کچھ دیر پہلے لفٹ میں دیکھ چکا تھا۔

"اوہ!..."

عمران کے منہ سے باریک سیٹی کی سی آواز نکلی۔

"تو اس کا مطلب ہے کہ کھیل شروع ہو چکا ہے!"

اس نے سر کو جھٹکا دیا اور تیزی سے ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ اور زیادہ گہری ہو گئی۔ دراصل ایک بہت مشکل کام ایک دم آسان ہو گیا تھا۔



"کسی پرسکون پارک میں لے چلو بھائی..."

ٹیکسی کی پچھلی نشست پر بیٹھتے ہوئے عمران نے نرم اور لاپرواہ آواز میں کہا۔ یہ جملہ اس نے تیزی سے اپنے جبڑوں کو چلاتے ہوئے کہا تھا۔ چیونگم بیچارہ بری طرح اس کے دانتوں تلے کچلا جا رہا تھا۔

ڈرائیور نے خوش دلی سے اس کی طرف دیکھا۔ اور عمران کے اندر بیٹھتے ہی وہ تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھا۔ عمران پوری طرح لاپرواہ دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن دراصل ایسا نہیں تھا۔

سرخ سپورٹس والے افریقی نژاد کو اپنی طرف گھورتے دیکھ کر عمران نے ایسا پوز کیا تھا جیسے وہ اس کی موجودگی سے مکمل طور پر بے خبر ہو۔ وہ سپورٹس کار والے کو محتاط کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس نے فوری طور پر اپنے ذہن میں ایک ایسا پروگرام ترتیب دیا تھا جو

دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ بے پناہ خطرات سے بھی بھرا ہوا تھا۔ لیکن یہ عمران تھا جو ہمیشہ سے آگ کے شعلوں میں رقص کرنے کا عادی رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا کا جدید ترین اور مہذب ترین ملک دراصل ایک انسانوں سے بھرا ہوا گنجان جنگل ہے جہاں کسی بھی آڑ سے کسی بھی اوٹ سے کوئی خونخوار درندہ اپنے نوکیلے پنجوں اور تیز دانتوں کے ساتھ اس پر جھپٹ سکتا ہے۔ یہ بات عمران میں کوئی خوف پیدا کرنے کی بجائے ایسا ہیجان پیدا کر رہی تھی جو مسرت ہی کا نتیجہ کہی جا سکتی تھی۔ خطرات کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ ہمیشہ دہشت زدہ ہونے کی بجائے اپنے آپ کو زیادہ پُرسکون محسوس کرتا تھا۔

اس وقت اس کی کیفیت ایسی ہی تھی۔ وہ ہیجان میں بھی تھا اور پُرسکون بھی۔ اس کے اعصاب آنے والے کسی بھی لمحے کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے تیار تھے۔

ٹیکسی تیز رفتاری سے راستوں کو کاٹتی۔ مختلف چوراہوں اور سڑکوں پر سے ہوتی ہوئی بتدریج پُرشور اور پُررونق شہر سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔ عمران کی نظریں بار بار عقبی شیشے کے ذریعے سرخ سپورٹس کار کا جائزہ لے رہی تھیں

اور اس کا یہ شبہ یقین کو پہنچ چکا تھا۔ کہ سرخ سپورٹس دراصل اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ ان دونوں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ درمیان میں دس پندرہ موٹریں چل رہی تھیں۔

سپورٹس کار میں بیٹھا ہوا طویل قد کا کسرتی بدن والا نیگرو بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ لفٹ میں بھی جب وہ عمران کے ساتھ سوار تھا تو اپنی بے پناہ صلاحیت اور تجربے کے باوجود عمران اس بات کو محسوس نہیں کر سکا تھا کہ ابھی کچھ دیر بعد یہ ہی شخص اس کے تعاقب میں ہوگا۔ اب بھی وہ اپنی موٹر کو اتنے فاصلے اور اس انداز سے چلا رہا تھا کہ چھوٹی موٹی ذہانت رکھنے والا شخص اپنے تعاقب سے کبھی باخبر نہیں ہو سکتا تھا لیکن بہرحال یہ عمران تھا اور جان چکا تھا کہ کھیل شروع ہو چکا ہے۔

عقبی شیشے میں سرخ سپورٹس کو دیکھتے ہوئے عمران نے اپنے کوٹ کی بالائی جیب میں لگا ہوا پین نکالا۔ پھر پین کی بالائی سطح پر ابھرے ہوئے ایک نہایت چھوٹے سے سفید بٹن نما حصے کو انگلی کی مدد سے دبایا۔ اس کے ساتھ ہی سبز رنگ کا ایک مدھم بلب سا جلنے بجھنے لگا۔ یہ سبز بلب پین کے ڈھکنا نما اوپری حصے ہی میں نصب تھا۔ پین کو

عمران نے اپنے منہ کے نزدیک کر لیا تھا۔ یہ پن نما ٹرانسمیٹر تھا۔

"ہیلو... ہیلو... عمران سپیکنگ اوور... ہیلو... ہیلو... دس از عمران سپیکنگ اوور..."

عمران کو یہ جملہ سات آٹھ مرتبہ دہرانا پڑا تھا پھر اچانک خاموش ہو کر اس نے اس مدہم آواز کو نہایت توجہ کے ساتھ سننے کی کوشش کی تھی۔ جو اس پن ٹرانسمیٹر سے نکل رہی تھی۔ مدہم ہونے کے باوجود عمران کو ایک جانی پہچانی بھرائی ہوئی آواز سنائی دے گئی تھی۔

"ہیلو دس از ایکس۔ ٹو... ہیلو دس از ایکس۔ ٹو۔ اوور..."

دوسری طرف سے دو مرتبہ یہ جملہ کہنے کے بعد خاموشی اختیار کی گئی تھی۔

"میں تمہارا پرانا نمک خوار، بے قرار عرف دلیپ کمار یعنی کہ علی عمران ایم ایس سی پی ایچ ڈی آکسن بول رہا ہوں بھائی۔ کہو مزاج کیسے ہیں۔ تمہاری اہلیہ بمعہ بال بچوں کے خیریت سے تو ہیں اوور۔"

"ارے... رے... رے... رے..."

دوسری طرف سے بلیک زیرو کی بے چین اور گڑ گڑائی ہوئی

آواز سنائی دی۔ اس بار وہ ایکس۔ ٹو والی بھراہٹ کی بجائے اپنی اصلی آواز میں عمران سے مخاطب ہوا تھا۔

"آپ کہاں ہیں عمران صاحب... صبح سے میں پریشان ہو رہا ہوں آپ کے لئے۔ صبح چھ بجے کی فلائیٹ سے یہاں پہنچا ہوں۔ اور اس کے بعد سے اب تک مسلسل آپ کی کال کے انتظار میں ہوں۔ آپ نے منع کر دیا تھا ورنہ کئی بار میرے جی میں آئی کہ خود ٹرانسمیٹر پر آپ سے رابطہ قائم کر کے آپ کا پتہ چلانے کی کوشش کروں۔ ایک بار تو میں ٹیلی فون پر سی آئی اے چیف سے بھی رابطہ قائم کرنے کی سوچ رہا تھا۔ لیکن پھر..."

"بہت اچھے طاہر میاں... ماشاء اللہ آپ اچھے جا رہے ہو!"

عمران نے اس کا جملہ مکمل ہونے کا انتظار کئے بغیر چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اگر اسی طرح میری ہدایات پر عمل کر کے احتیاط سے کام لیتے رہے تو انشاء اللہ جلد ترقی کرو گے۔ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اس سے پہلے بھی میرے دو شاگرد اسی طرح احتیاط سے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے بہت اونچے مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ ایک کے بارے میں تو تازہ ترین اطلاع آئی ہے کہ اسے عنقریب ترقی دے کر

جنّت کا داروغہ خاص مقرر کیا جا رہا ہے۔ البتہ دوسرے کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ فی الحال اگلے چھ مہینے کے آزمائشی پیریڈ میں دوزخ میں ہی رہے گا۔ فکر مت کرو طاہر میاں عرف بلیک زیرو المعروف ایکس۔ٹو بھائی ایک نہ ایک دن اسی طرح تمہارا بھی پروموشن لیٹر آ جائے گا اور تم کو اس دنیا سے ٹرانسفر کر کے عہدے کی ترقی کے ساتھ عالم بالا کے کسی سیکشن کا انچارج یا کم از کم کسی انچارج کا اسسٹنٹ تو ضرور ہی ...“

” آپ یہ کیا کہے جا رہے ہیں عمران صاحب ...“ بلیک زیرو کی شدید اُلجھی ہوئی آواز سنائی دی۔

” براہِ کرم آپ مجھے بتائیے کہ آپ کہاں ہیں اس وقت ... میں آپ سے ملنے کو بے تاب ہوں ٹیم کے دوسرے ممبران بھی یہاں پہنچ گئے ہیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ وہ میرے ساتھ ایک ہی جہاز میں سوار تھے۔ اور اب یہاں ایک ہی ہوٹل کی مختلف منزلوں پر ہماری رہائش ہے۔ میں ٹرانسمیٹر پر اُن سے رابطہ قائم کر چکا ہوں۔ اُن کو صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ کے علاوہ میں یعنی ایکس۔ٹو بھی اس وقت براعظم امریکہ کے اس شہر میں موجود ہوں اِس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتے۔ میں

نے ہدایات کے طور پر انہیں آج کا سارا دن محض تفریح یا آرام کرنے کے لئے کہا ہے۔ کیونکہ ان کے لئے جاری کی جانے والی اصل ہدایات کے بارے میں خود مجھے بھی آپ کی ہدایات کا انتظار تھا۔ اور آپ کی ہدایات کے لئے ضروری تھا کہ آپ سے رابطہ قائم ہو جائے۔ خدا خدا کر کے اب آپ کی آواز سنی ہے۔ مجھے بتائیے عمران صاحب کہ آپ کہاں تک ... پہنچ گئے ہیں ... میرا مطلب ہے کہ میرے لئے کیا حکم ہے۔

” جہاں تک میرے پہنچنے کی بات ہے بھائی طاہر میاں تو تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ فی الحال کہیں نہیں پہنچا۔ بلکہ سچ پوچھو تو ابھی راستے ہی میں ہوں۔ ویسے ٹیکسی والے سے میں نے کسی پُرسکون پارک میں لے چلنے کے لئے کہا تھا۔ اور جن جن راستوں سے وہ گذر رہا ہے۔ اس سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجھے یقیناً شہر کی شمالی سمت میں واقع ”ڈیم پارک“ کی طرف لے جا رہا ہے۔ اب رہی بات تمہارے لئے حکم کی تو کیا خیال ہے تم بھی یہیں چلے آؤ ...“

” تت ... تت ... تو کیا اس وقت کسی ٹیکسی میں سفر کرتے ہوئے مجھ سے گفتگو کر رہے ہیں۔“

طاہر کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اور... اور... یہ ڈریم پارک میں جانے کی آپ کو آپ کو کیا سوجھ گئی جناب.... وہاں تو صرف نوجوان جوڑے جاتے ہیں ڈینگیں مارنے کے لئے۔ دراصل آپ کا ٹیکسی ڈرائیور "پرسکون پارک" سے غلط مطلب سمجھا ہے۔"

"اماں غلط سمجھا ہے تو اس میں کون سی قیامت آگئی ویسے بھی تمہارا کیا خیال ہے۔ ویسے میں نوجوان نہیں ہوں۔ کوئی بوڑھا کھوسٹ ہوں جسے نوجوان جوڑوں کے پارک میں نہیں جانا چاہیئے اور جوڑے والی بات کا تو کوئی مسئلہ نہیں۔ اول تو تم آ ہی رہے ہو یہاں اور تم نہیں تو پھر کوئی اور سہی۔ کوئی نہ کوئی لڑکی تو ضرور لفٹ دے ہی دے گی۔ اللہ نے شکل وصورت کوئی ایسی بُری تو نہیں دی۔ پھر انگریزی کا شین قاف بھی بہت درست ہے میرا... ہاں البتہ مجھے کسی لمبے چکر سے بچانا چاہتے ہو تو پھر تمہیں چاہیئے کہ خود ہی چلے آؤ..."

"لمبے چکر سے...؟"

طاہر نے رُک کر اپنے جملے کو سوالیہ بناتے ہوئے کہا۔ عمران نے یہ جملہ جس طرح ادا کیا تھا۔ اُسے سُن کر ہی طاہر

کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"لمبے چکر سے آپ کی کیا مراد ہے.... میرا مطلب ہے کیا کوئی گڑبڑ...؟"

"اماں نہیں یار... ایک تو تم سیکرٹ سروس والے بال کی کھال بہت نکالتے ہو۔"

عمران نے منہ بنا کر بے تکلفی سے کہا۔

"ویسے بھی اگر کوئی گڑبڑ ہے بھی تو پریشانی کی کیا بات ہے، میرا مطلب تو صرف یہ ہے کہ سروس کا معاملہ ہے ایک سے دو بھلے۔ ممکن ہے وہ سرخ سپورٹس والا کوئی لمبا چکر چلانے کی کوشش کرے۔ اسی لئے تمہیں احتیاطاً پوچھ لیا تھا۔ ویسے اگر تمہارا موڈ نہیں ہے تو پھر..."

"کون سرخ سپورٹس والا عمران صاحب...؟"

طاہر نے عمران کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی تیزی سے کہا۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ جیسے وہ فوراً ہی کسی خطرے کی بُو سونگھ گیا ہو۔

"ارے یار ہے ایک لمبا تڑنگا بھوت... سی آئی اے ہیڈکوارٹر ہی سے چمٹا ہوا ہے میرے ساتھ اور ابھی تک جان چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ سالا چالاک بھی معلوم ہوتا ہے۔ بہت دیر کے بعد پتہ چلا کہ یہ کالا بھوت دراصل

میرے سر پر سوار ہے..."

عمران بے تکلفی سے بولے جا رہا تھا اور اس دوران اس کی نظریں برابر ٹیکسی کے بیک مرر میں سے آگے پیچھے ہوتی ہوئی سرخ سپورٹس پر لگی ہوئی تھیں۔

"میں آ رہا ہوں عمران صاحب..."

طاہر کی شدید جذباتی آواز سنائی دی۔ جیسے وہ عمران کو پیش آنے والے کسی بھی خطرے میں کود پڑنے کے لئے کہہ رہا ہو۔

"بس میں فوراً نکل رہا ہوں عمران صاحب...او... آل..."

عمران کے کچھ کہنے سے پہلے ہی طاہر نے فوراً ٹرانسمیٹر کا سلسلہ ختم کر دیا تھا اور اگلے صرف چند سیکنڈوں میں وہ اپنا کمرہ چھوڑ کر نہایت تیزی سے لفٹ کی طرف لپک رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عمران نے جتنی لاپرواہی سے سرخ سپورٹس والے کے بارے میں باتیں کی ہیں۔ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے۔ براعظم امریکہ کا جدید ترین شہر تھا۔ جہاں قتل و غارت خون ریزی کے لئے کسی بہانے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی جاتی تھی۔ محض کسی کی بندوق کے نشانے پر آ جانا کافی تھا۔

ٹرانسمیٹر پر گفتگو کے دوران عمران کے ٹیکسی ڈرائیور نے کسی خاص حیرت یا پریشانی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ جس طرح کے ماحول میں وہ زندگی گزار رہا تھا۔ اس میں ایسی باتیں اب زیادہ حیران کرنے والی نہیں رہی تھیں۔ اس نے طرف ایک مرتبہ گردن گھما کر عمران کو غور سے دیکھا تھا اور پھر شائد اسے کوئی پرائیویٹ سراغرساں یا ایسی ہی کوئی چیز سمجھ کر اس نے اپنے کام سے کام رکھنا مناسب سمجھا تھا۔

بلیک زیرو کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کر کے عمران نے پین دوبارہ جیب میں لگایا۔ اور عقبی شیشے سے غور کے ساتھ اس سرخ سپورٹس کو دیکھا جس نے اپنا درمیانی فاصلہ کافی بڑھا لیا تھا۔ شائد اس کی وجہ یہ ہی ہو کہ اس وقت وہ جس سڑک سے گزر رہے تھے۔ وہ اب صرف ایک ہی جگہ جا کر ختم ہوتی تھی

سرخ سپورٹس والے نیگرو کو اطمینان رہا ہوگا کہ ٹیکسی اب اُسے جُل دے کر کہیں غائب نہیں ہو سکتی۔ یہ ہی اطمینان فاصلہ زیادہ کرنے کا سبب بن گیا ہوگا۔

اگلے ڈیڑھ منٹ بعد عمران کی ٹیکسی گاڑیوں کی ایک طویل قطار کے نزدیک جا کر رُک گئی تھی۔ عمران نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ڈریم پارک کا بہت بڑا فولادی گیٹ اس سے تقریباً سو فٹ کے فاصلے پر کھُلا ہُوا تھا۔ اور منتظر تھا۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کے بازوؤں میں بازو ڈالے ایک عجیب سرمستی کے عالم میں آ جا رہے تھے۔ ان میں بعض ایسے نوجوان بھی تھے جن پر بدمستی طاری تھی۔ بعض ایسی لڑکیاں تھیں جو اپنے مرد دوستوں کے لئے اس طرح بن ٹھن کر آئی ہوئی تھیں۔ جیسے میلہ مویشیاں میں گائے بھینسوں کو سجایا جاتا ہے یہ نوجوان لوگوں کی عجیب اور دلچسپ دنیا تھی۔ عمران زیرلب مسکرایا۔ مغرب کے نوجوانوں کی اوٹ پٹانگ حرکتیں دیکھ کر عمران کے ہونٹوں پر ایسی ہی مسکراہٹ دوڑ جایا کرتی تھی۔ اس نے ان لڑکے لڑکیوں پر سے نظر ہٹا کر قریب سے گذرتی ہوئی سرخ سپورٹس پر نظر ڈالی۔ تیز رفتاری کے ساتھ قریب سے گذرتے وقت ڈرائیور سیٹ پر بیٹھے ہوئے

نیگرو نے چور نظروں سے عمران کو دیکھنے کی کوشش کی تھی اور عمران اس بات سے بے خبر تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ نیگرو کو اس بات کا قطعی احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ بھی اس نیگرو کا جائزہ لے رہا ہے۔

گاڑی گذر جانے کے بعد بھی عمران کی وہ مسکراہٹ اپنی جگہ قائم رہی تھی۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا اور ایک بڑا کرنسی نوٹ نکال کر ڈرائیور کی طرف بڑھایا۔ وہ اسی ملک کا کرنسی نوٹ تھا۔ اور اس کی مالیت ٹیکسی کے کرائے سے تقریباً دس گنا زیادہ تھی۔ ٹیکسی ڈرائیور نے نوٹ لے کر جلدی سے بقیہ رقم کے لئے جیب ٹٹولنا شروع کر دی۔

"یہ سارے کا سارا نوٹ تمہارا ہے۔۔۔۔!"

عمران نے دروازہ کھول کر پچھلی نشست سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"اسے رکھو! رقم واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنا انعام سمجھو!"

ٹیکسی ڈرائیور نے پہلے عجیب سی نظروں سے عمران کی طرف دیکھا۔ پھر ایک دم ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے لئے کوئی بہت ہی غیر متوقع رہی ہو۔ اس نے تیزی سے دو تین بار آنکھیں پٹ پٹائیں پھر اسی تیزی سے اس کا ہاتھ ماتھے کی طرف گیا۔

"تھ... تھینک یو سر! تھینک یو ویری مچ!"

اس کے لہجے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی عاجز اور وفادار غلام ہو اور عمران کی حیثیت اس کے نزدیک کسی بادشاہ کی رہی ہو۔ عمران نے لاپرواہی سے ہاتھ اٹھا کر اس کے جملے کا جواب دیا اور تیزی سے سڑک پار کرکے پارک کے گیٹ کی طرف چل دیا۔ گیٹ کے نزدیک رُک کر اُس نے اِس طرح اِدھر اُدھر دیکھا جیسے وہ کسی کو تلاش کر رہا ہو۔ اس کی نظریں آس پاس سے گذرتے لڑکوں اور لڑکیوں میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ پھر لمحہ بہ لمحہ اس کی تلاش کرتی ہوئی نظروں کا دائرہ پھیلتا چلا گیا۔ اُس کا انداز اب بھی کسی دوست کو تلاش کرنے والے ہی کا تھا۔ یہاں تک کے ارد گرد کے لوگوں سے نکل کر اس کی نظریں دُور دُور تک بھٹکنے لگیں۔ اس طرح جیسے کسی دوست کو نہ پا کر آنے والا پریشان ہو کہ خواہ مخواہ اُسے دُور تک نظریں دوڑا کر تلاش کرتا ہے۔

پھر اچانک عمران کی نظروں کے ریڈار نے اس سرخ سپورٹس کار کا سراغ لگا لیا۔ جو کافی آگے جا کر پارک کی گئی تھی۔ گاڑیوں کے ایک ہجوم میں تقریباً چھپی ہوئی کھڑی تھی۔ عمران کی نظریں ڈرائیونگ سیٹ پر پڑیں اور فوراً ہی وہ چونکا۔ ڈرائیور سیٹ خالی تھی۔ نیگرو وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے اسی راستے پر نظریں دوڑائیں۔ جدھر گاڑی سے نکلنے کے بعد نیگرو کے ہونے کا امکان ہو سکتا تھا۔ لیکن عمران کو وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔

"ہائیں...!"

عمران نے زیرِ لب حیرت زدہ سی آواز میں کہا۔

"اماں کہاں غائب ہو گئے تم بھائی کالے میاں! ہم تو تمہارے ہی دیدار کی خواہش میں یہاں تک چلے آئے ہیں۔ لیکن اب تم اچانک ہی...!"

پھر اچانک ہی عمران اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکرایا تھا۔ اس کی نظریں اگرچہ اب بھی ہجوم کے درمیان اس سرخ سپورٹس والے نیگرو کو تلاش کر رہی تھیں جو اچانک ہی اپنی گاڑی پارک کرنے کے بعد کہیں غائب ہو گیا تھا لیکن عمران کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس طرح اس کے غائب ہونے کا

مطلب کیا ہو سکتا ہے۔

اگلے چند سیکنڈوں کے اندر وہ اسے "تلاش کرنے کا ارادہ ترک کر کے پارک کے اندر داخل ہو چکا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی اُسے نہایت فرحت کا احساس ہُوا تھا خوب صورت پھولوں اور چہروں کے درمیان چلتے ہوئے اس نے طرح طرح کی خوشبوؤں کے درمیان لمبے لمبے سانس لئے۔ یہ خوشبوئیں فطرت کے پیدا کردہ پھولوں کے علاوہ انسان کے بنائے گئے ان گنت قسموں کے پرفیومز سے مِل جُل کر بنی تھیں اور اس وقت "ڈریم پارک" کی فضا کو معطّر کر رہی تھیں۔

اپنے تعاقب کرنے والے نیگرو کو ساتھ لے کر یہاں اس خوب صورت لیکن اس پُرسکون پارک میں آنے کا جو پروگرام عمران نے اپنے ذہن میں ترتیب دیا تھا وہ نیگرو کے اچانک غائب ہو جانے کے باعث گڑ بڑ ہو گیا تھا لیکن عمران جانتا تھا کہ اس میں بھی ضرور کوئی نہ کوئی فائدے کی شکل ضرور نکل آئے گی۔ البتہ ایک بات ظاہر تھی کہ اب اسے نیگرو کے علاوہ اصل انتظار بلیک زیرو کا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس خوب صورت باغ میں گھومنے پھرنے کے دوران وہ اپنے منصوبے پر تفصیل کے ساتھ بلیک زیرو سے گفتگو کر سکے۔

تاکہ جب وہ میدانِ کارزار میں مصروف ہو تو بلیک زیرو ایکس۔ٹو کی حیثیت سے باقی کارکنوں کو ہدایات جاری کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ اس کے علاوہ عمران اسے یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا تھا۔ کہ انہیں اپنے آپریشن کے سلسلے میں سی آئی اے سے کوئی خاص توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ سی آئی اے کے افسران اور کارندے اُسے تیسری دنیا کا ایک زیرِ ترقی ملک سمجھ کر ان لوگوں کی زیادہ اور مناسب مدد کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔

عمران تقریباً پندرہ منٹ تک پارک کی مختلف روشوں پر ٹہلتا ہُوا براعظم امریکہ میں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی آمد کے بعد کے حالات پر غور کر رہا تھا۔ اس وقت وہ ایک حماقت مآب عمران کی بجائے کوئی دانشور یا مدبّر معلوم ہو رہا تھا۔ جو نہایت انہماک کے ساتھ کسی خاص مسئلے پر غور و خوض کر رہا ہو۔

بلیک زیرو کے انتظار میں وہ یہاں آنے پر مجبور تھا اور اس مجبوری کے عالم میں وہ اپنے وقت کا اس سے زیادہ بہتر استعمال کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس چہل قدمی کے دوران کئی بار پھولوں اور گلدستوں سے بھری ٹوکریاں لئے ہوئے خوبصورت لڑکیاں اس کے راستے میں آئیں۔ وہ

پھول بیچنے والیاں تھیں ۔ اس پارک میں پھولوں کی فروخت ان کے لئے بہت منافع کا کام تھا۔ لیکن عمران نے ہر بار ایک خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ انکار میں گردن ہلا دی تھی ۔ لڑکیاں پہلے تو یہ سمجھتی تھیں کہ وہ اپنی دوست لڑکی کا انتظار کر رہا ہے لیکن عمران کی مسکراہٹ میں جو تنہائی اور اکیلا پن تھا۔ اسے دیکھ کر لڑکیاں اصرار نہ کرتی تھیں بلکہ ہمدردی کے ساتھ گردن ہلا کر کسی دوسری طرف متوجہ ہو جاتی تھیں۔ شائد وہ اسے کوئی ازلی کنوارہ سمجھ کر ہمدردی کی نظروں سے دیکھتی تھیں۔

پارک کی مختلف روشوں سے گذرتا ہوا عمران اس وقت اس کونے میں پہنچ گیا تھا۔ جہاں موٹے موٹے تنوں والے بوڑھے اور پھیلے ہوئے گھنے درخت کھڑے تھے ۔ اس علاقے میں پھولوں کی اتنی بھر مار نہیں تھی ۔ غالباً اسے کچھ زیادہ ہی پرسکون اور فطری انداز میں قائم رکھنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس طرف نوجوان جوڑوں کی تعداد میں بھی خاص کمی تھی ۔ البتہ جو جوڑے یہاں موجود تھے وہ اپنی تنہائی سے کچھ زیادہ ہی فائدہ اٹھانے کے موڈ میں دکھائی دیتے تھے۔ عمران نے کئی بار نظریں پھیر کر اپنے آپ کو ان منظروں سے غافل یا لاپرواہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ جوان درختوں

کی آڑ میں دکھائی دے رہے تھے ۔ مغرب کا آزاد معاشرہ بندوں ننگا ہو رہا تھا۔ عمران اس طرز کے معاشرہ کے انجام کے بارے میں سوچتا ہوا اب محسوس کر رہا تھا کہ وہ کافی دیر پارک میں رہ چکا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود بلیک زیرو کا کچھ پتہ نہیں ۔ اس کے علاوہ نیگرو کا بھی کوئی اتا پتہ نہیں تھا۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اب سیدھا واپس ہوٹل جائے گا۔ اور وہاں سے بلیک زیرو کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے گا۔ ویسے بھی بلیک زیرو کو پارک میں بلانے کا اب کوئی مقصد باقی نہیں رہا تھا۔

عمران نے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے ۔ اُسے بلیک زیرو کے پارک میں نہ آنے سے زیادہ اس نیگرو کے اچانک غائب ہو جانے سے زیادہ افسوس تھا۔ جس کے ذریعے بہت سے مشکل کام آسان ہو جانے کا امکان عمران کے ذہن میں پیدا ہو گیا تھا۔

" خدا جانے سالا کالا بھوت ایک دم ہی کہاں غائب ہو گیا؟" عمران نے زیرلب سوالیہ انداز میں کہا۔

" اگر وہ میرا تعاقب ہی کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا تو پھر اسے غائب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اور اگر وہ میرا تعاقب نہیں کر رہا تھا تو پھر یہاں اس پارک تک اور وہاں ڈیپارٹمنٹل

سٹور میں . . . "

عمران کا ذہن الجھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس بات کو درست سمجھے۔ اپنی بے پناہ ذہانت کے باوجود اس وقت شکوک و شبہات کا شکار ہو گیا تھا۔ شائد اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اس وقت اپنے ملک میں موجود نہیں تھا۔ جس کے ایک ایک گلی کوچے ایک ایک سڑک اور راستے کے بارے میں وہ ذاتی طور پر جانتا تھا۔

جانتا تو وہ اس ملک کے بارے میں بھی بے تحاشہ تھا لیکن بہت کچھ جاننے کے باوجود وہ یہاں ایک غیر ملکی اور اجنبی شخص تھا اور اپنے وطن سے باہر نکل کر آدمی میں جو ایک خاص طرح کی احتیاط پسندی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ عمران میں بھی آ گئی تھی۔ غالباً اس کی اسی لاشعوری احتیاط نے اس کے فیصلوں کو واضح اور صاف ہونے سے روک دیا تھا۔

"اماں بھاڑ میں جائے یار . . . "

عمران نے یہ جملہ خود ہی سے مخاطب ہو کر بلند آواز سے کہا تھا اور یہ جملہ کہتے وقت وہ جانتا تھا کہ اس کے آگے اور پیچھے اس وقت دور دور تک اور کوئی موجود نہیں ہے لہذا اسے بلند آواز خود کلامی کرتے ہوئے کوئی جھجھک محسوس

نہ ہوئی۔ ویسے بھی انتظار اور ناکام سوچ بچار نے اُسے اپنے ذہن میں بھرا ہوا غبار اس طرح نکالنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن یہ جملہ ادا کرتے ہی عمران کو ایک دم چونک جانا پڑا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اچانک اس کے پہلو میں کوئی چیز اپنا دباؤ بڑھاتی ہوئی چبھ رہی تھی۔ محض ایک لمحے کے عرصے میں عمران نے جان لیا کہ یہ سب کیا ہے۔

اپنے بدن کو حرکت دیئے بغیر اس نے اپنے ساکت سر میں بڑی آنکھوں کے ڈیلے ٹیڑھے کر کے اس شخص کی جھلک دیکھ لی تھی جو کوئی آواز پیدا کئے بغیر ایک قریبی درخت کی اوٹ سے جانے کب نکل کر اس کے عقب میں پہنچا تھا اور اس کے بعد عمران نے اپنے پہلو میں کسی چیز کی چبھن کو محسوس کیا تھا۔

"اگر تم قتل ہونا نہیں چاہتے تو پھر اپنے آپ کو کٹھ پتلی سمجھو اور جیسا میں کہوں ویسا ہی کرتے جاؤ۔"

جملہ نہایت کرخت انگریزی میں کہا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی عمران کے پہلو سے دباؤ ہٹ گیا تھا۔

"یہ ریوالور میری جیب میں ہے!"

ایک لمبے قد کے دبلے پتلے سرد آنکھوں والے گورے نے ریوالور

کی جھلک اسے دکھائی دی تھی اس کے ساتھ ہی وہ ریوالور اس کی پتلون کی جیب میں چلا گیا تھا۔ ریوالور جیب میں ڈالنے والا ہاتھ وہیں جیب میں ہی ریوالور سے چپکا رہ گیا تھا

"لیکن ریوالور تمہاری جیب میں ہو یا تمہاری کمر سے لگا ہو میرا نشانہ بے خطا ہے۔ اور یاد رکھو!"

وہ عمران سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا اپنی گہری نیلی اور بے رحم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کرنے کی کوشش کی جو مجھے پسند نہیں تو اسے تمہارے اقدام خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھا جائے گا۔"

عمران نے سپاٹ نظروں سے اس دبلے پتلے گورے کی طرف دیکھا جو اچانک ہی کسی بلائے ناگہانی کی طرح وارد ہو گیا تھا۔

"بٹوہ میری پتلون کی داہنی جیب میں ہے مسٹر۔!"

عمران نے اپنی جگہ پر ساکت کھڑے کہا۔ وہ دنیا کے اس مہذب ترین شہر میں لوٹ مار کی عام وارداتوں کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا۔

"شٹ اپ۔۔۔"

گورے نے کرخت اور سرد آواز میں کہا۔

"اپنا منہ بند رکھو اور چپ چاپ پارک کے مغربی گیٹ کی طرف چلے چلو۔ میں تم سے کافی فاصلے پر پیچھے پیچھے چلوں گا۔۔۔ اور اگر تم۔۔۔"

اس آدمی کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی عمران نے مغرب کی طرف منہ کر کے چلنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی جیب میں ریوالور موجود تھا لیکن اس وقت ہاتھ جیب کی طرف لے جانا واقعی نقصان دہ ہو سکتا تھا۔

انسانی زندگی جتنی بے وقعت اس براعظم میں تھی غالباً اس کی مثال دنیا کے اور کسی ملک میں نہیں مل سکتی تھی لہذا مناسب یہ ہی تھا کہ اس آدمی کے کہنے پر ہی عمل کیا جائے۔ باقی معاملات کے لئے حالات کے سازگار ہونے کا انتظار کیا جائے۔

"اب کہاں پھنسا دیا یار۔۔۔"

عمران زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔ لیکن اس نے اس دبلے پتلے گورے کی ہدایات پر عمل شروع کر دیا تھا۔ گورا اپنی جگہ پر کھڑا جیب میں ہاتھ ڈالے عمران کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب ان کے درمیان فاصلہ دس فٹ کے قریب ہو گیا۔ تو اس گورے نے بھی عمران کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ عمران نے دونوں ہاتھ پشت پر ایک دوسرے

سے پلٹے ہوئے تھے اور وہ ایسے چل رہا تھا جیسے پارک میں بہت مزے کے ساتھ چہل قدمی کر رہا ہو۔ یہی انداز اس کے پیچھے دس فٹ کے فاصلے پر چلنے والے گورے کا تھا۔ البتہ اس کے دونوں ہاتھ پتلون کی جیب میں تھا۔

ان دونوں کو اس طرح آگے پیچھے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان میں سے ایک آدمی دوسرے کو اغوا کر کے لے جا رہا تھا۔

دنیا کے مہذب ترین شہر میں دن دھاڑے بے شمار لوگوں کی موجودگی میں سرِعام ایک شخص اغوا ہو رہا تھا اور ان لوگوں کو اس کا پتہ تک نہیں تھا۔ وہ ایک دوسرے میں مگن اپنی اپنی مصروفیات اور مشغلوں اور رنگ رلیوں میں مگن تھے۔ ان کی تہذیب نے انہیں سکھایا تھا کہ کسی بھی دوسرے آدمی کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ اپنی تہذیب کے سکھائے ہوئے اس اصول پر سختی سے کاربند تھے۔ چاہے ان کے سامنے کوئی اغوا ہو رہا تھا یا قتل کیا جا رہا ہو ان کی تہذیب انہیں خاموش رہنے پر مجبور کر رہی تھی اور وہ خاموش تھے۔

عمران چپ چاپ مغربی گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

O

بلیک زیرو ہوٹل سے اس تیز رفتاری سے نکلا تھا۔ جیسے اگر اس نے ایک لمحے کی بھی دیر کی تو ہوٹل میں موجود ٹائم بم کے دھماکے میں ہوٹل کے ساتھ ساتھ اس کے جسم کے ٹکڑے بھی فضا میں بکھر جائیں گے۔ ٹائم بم دراصل ہوٹل میں نہیں۔ بلیک زیرو کے ذہن میں ٹک ٹک کر رہا تھا۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ عمران کسی ان دیکھے خطرے میں گھرا ہوا ہے اور اس کا احساس رکھنے کے باوجود اپنی بے تحاشہ خود اعتمادی کے باعث اس کا نوٹس نہیں لے رہا ہے۔

ہوٹل کی پارکنگ سائیڈ میں اس کی وہ نئی نویلی امپالا کھڑی تھی۔ جو اس نے یہاں آتے ہی محض آدھ گھنٹے کے اندر اندر خرید لی تھی۔ اس کے پاس انٹرنیشنل ڈرائیونگ لائسنس موجود تھا۔ لہٰذا گاڑی خریدنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اس قسم کی گاڑی کی خریداری کی ہدایت اسے عمران نے پہلے ہی

چل چکی تھی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ خود عمران ٹیکسی میں گھسٹ رہا تھا۔

ٹریفک کی خاطر پابندیوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے بلیک زیرو نے اپنی انتہائی رفتار کے ساتھ کم سے کم وقت میں ڈریم پارک تک پہنچنے کی کوشش کی تھی اور اس ساری کوشش میں اسے معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ کہیں بھی نہیں روکا گیا تھا۔ لیکن جس فائیو سٹار ہوٹل میں اس کی رہائش تھی۔ وہاں سے ڈریم پارک کا فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ ایک دو بار تو بلیک زیرو کو خود عمران پر غصہ آیا کہ اس نے اتنی دور واقع اس پارک میں جانے کا فیصلہ کیوں کیا۔

بہرحال جس وقت وہ ڈریم پارک کی پارکنگ سائیڈ کی طرف بڑھ رہا تھا تو اس نے گھڑی پر نظر ڈال کر اندازہ لگایا تھا کہ راستہ کٹنے میں بیس منٹ سے زیادہ وقت صرف ہوا ہے موٹروں کے بے تحاشہ رش میں اپنی گاڑی کے لئے مناسب جگہ کی تلاش میں نظریں دوڑاتے ہوئے اس کی آنکھیں ایک دم حیرت اور اندیشے کی شدت سے پھیل گئیں پھر اس کی آنکھیں اس منظر پر جم کر رہ گئی تھیں۔ جسے دیکھ کر اس کا یہ حال ہوا تھا۔

وہ سرخ رنگ کی سپورٹس ہی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک کسرتی بدن والا نیگرو بیٹھا ہوا گردن موڑ کر اطمینان سے گاڑی کی پچھلی سمت دیکھ رہا تھا۔ جہاں محض چند قدم کے فاصلے پر عمران بہت لاتعلقی سے قدم بڑھاتا ہوا سرخ سپورٹس میں سوار ہونے کے لئے آ رہا تھا۔ عمران اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے ایک قدم پیچھے ایک دبلا پتلا گورا بھی تھا۔

اپنی سیکرٹ سروس کی طویل ٹریننگ اور ذہانت کے باعث بلیک زیرو کے لئے اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ اور یہ کہ عمران یقیناً کسی جال میں پھنس چکا ہے۔

بلیک زیرو نے غور سے عمران کا چہرہ دیکھ کر کسی بات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ عمران کے چہرے پر ازلی لاپرواہی کے تاثرات تھے۔ بلیک زیرو عمران کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ پھر اس نے دیکھا کہ عمران اور وہ دبلا پتلا گورا آدمی دونوں نیگرو کے ساتھ سرخ سپورٹس میں بیٹھ گئے تھے۔ اس کے بعد محض ایک لمحے کی تاخیر سے گاڑی نہایت تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

بلیک زیرو کی گاڑی کا انجن ابھی تک بیدار تھا۔ اور سرخ سپورٹس اس کے قریب سے ہو کر گذری تھی لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ عمران نے اسے دیکھا ہے یا نہیں۔ البتہ خود اس نے ان دونوں کے درمیان بیٹھے ہوئے عمران کو بہت قریب سے دیکھ لیا تھا۔ اسے قریب سے دیکھنے پر بلیک زیرو جان گیا تھا کہ اگرچہ عمران کے چہرے پر ازلی لاپرواہی کے ڈیرے اسی طرح جمے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے ساتھ ہونے والی اس حرکت پر کچھ خوش نہیں ہے۔

"مجھے کیا کرنا چاہیئے.....!"

بلیک زیرو نے سرخ سپورٹس کو دور جاتے ہوئے دیکھ کر صرف لمحہ بھر کے اندر اندر سوچا اور پھر اس کے ذہن نے کسی کمپیوٹر کی طرح اس کے سوال کا جواب کسی تاخیر کے بغیر فراہم کر دیا تھا۔ اس نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور گاڑی کو گیئر میں ڈال دیا۔ اس نے سرخ سپورٹس کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ڈریم پارک روڈ کو کراس کر کے سپورٹس گاڑی شہر کے بارونق علاقے میں داخل ہو گئی تھی۔ اس کی رفتار اگرچہ بہت تیز تھی لیکن بلیک زیرو کے نیچے بھی اس وقت بالکل نئی نکورا امپالا تھی۔ لہذا اسے نہایت طویل سڑکوں۔ پر ہجوم

چوراہوں اور تھکا دینے والی ڈرائیونگ کے باوجود زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے تعاقب کے بعد سپورٹس کار ایک نہایت بارونق علاقے کی ایک آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارت کے احاطے میں داخل ہو کر پارکنگ سائیڈ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

بلیک زیرو نے اپنی گاڑی کو احاطے کے اندر لے جانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ اس نے عمارت کے سامنے کی ٹرک سے گذرتے ہوئے امپالا کو عمارت کی داہنی سمت میں واقع سائیڈ پر موڑ دیا تھا ـــــــ اور جوں ہی امپالا بلند و بالا عمارت کی اوٹ میں پہنچی۔ اس نے گاڑی کا انجن بند کر کے نہایت تیزی کے ساتھ باہر نکل کر اسے لاک کر دیا تھا۔ پھر وہ تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا آسمان سے باتیں کرتی عمارت کے احاطے کی اوٹ میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ صرف چند سیکنڈ کی کوشش سے وہ ان تینوں کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

دبلا پتلا گورا عمران کی دائیں جانب اور کسرتی بدن والا نیگرو اس کی بائیں جانب چلتے ہوئے لفٹ سائیڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان تینوں کے انداز میں ایسی کوئی پُراسرار

بات یا عجلت نہیں پائی جاتی تھی۔ جو ارد گرد آنے جانے والے لوگوں کے ہجوم میں سے کسی کو ان کی طرف متوجہ کرنے کا سبب بنتی۔

بلیک زیرو نے ایک لمحے کے لئے رک کر دوبارہ اپنے ذہن کو اگلے مرحلے کے لئے تیار کیا۔ اور تیز تیز قدموں سے چل کر احاطے میں داخل ہو گیا۔ اب وہ مرحلہ آ گیا تھا جہاں عمران کو حقیقی معنوں میں اس کی مدد کی ضرورت تھی۔ اگر اس وقت بھی وہ عمران کے قریب نہ پہنچتا تو پھر وہ آنے والے لمحوں کے سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ یوں چل رہا تھا جیسے وہ بہت عجلت میں ہو۔ دراصل اُسے خطرہ تھا کہ کہیں وہ دونوں عمران کو لے کر پہلے ہی کہیں لفٹ کے ذریعے غائب نہ ہو جائیں۔ ایسی صورت میں عمران کا پتہ چلانا اس کے لئے بہت ہی زیادہ دشوار تھا۔

صرف تیس سیکنڈ میں وہ ان تینوں کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ جب لفٹ کی طرف وہ بڑھ رہے تھے۔ اس کے سامنے پہلے ہی سے تین آدمیوں کی قطار کھڑی تھی اور لفٹ کا دروازہ ابھی تک نہیں کھلا تھا۔ بلیک زیرو نے اطمینان کا سانس لیا۔ عمران کے اچانک غائب ہو جانے کا خطرہ ٹل گیا تھا۔

بلیک زیرو کی رفتار سست پڑ گئی اور وہ ان سے تین چار قدم پیچھے رہ گیا ظاہر ہے اب وہ بھی ان کے ساتھ اسی لفٹ میں سوار ہو سکتا تھا لیکن اب اس کے وجود میں ایک شدید قسم کی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ ایک طرف وہ سوچ رہا تھا کہ لفٹ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان دونوں سے حساب کتاب کر لے اور عمران کو ان کے چنگل سے بچا لے لیکن جو بات اُسے یہ سب کچھ کرنے سے روک رہی تھی وہ خود عمران کا رویہ تھا۔

وہ خوب جانتا تھا کہ اگر عمران اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہتا تو سپورٹس کار تو کیا وہ ہوائی جہاز سے بھی چھلانگ لگا سکتا تھا اور یہ محض دو آدمی تو خیر اس کے لئے کوئی چیز نہ تھی۔ تو پھر آخر کون سی چیز ہے جو عمران کو ان دونوں کے ساتھ جانے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس ایک بات کا جواب بلیک زیرو کے پاس نہیں تھا اور اسی لئے وہ دو دو ہاتھ کرنے کی خواہش کو مسلسل دبا کر یہاں تک صرف تعاقب کرتا ہوا چلا آیا تھا۔

اچانک لفٹ کا دروازہ کھلا اور اس میں سوار لوگ ترتیب سے باری باری باہر نکلنے لگے۔ لفٹ خالی ہو جانے

پر قطار میں کھڑے ہوئے تینوں لوگ اس بس سوار ہوئے ان کے پیچھے پیچھے وہ گورا اور نیگرو عمران کو لے کر لفٹ میں داخل ہوئے۔ لفٹ کشادہ تھی اور اس میں کافی لوگوں کے ایک ساتھ کھڑا ہونے کی گنجائش موجود تھی۔

بلیک زیرو نے تیزی سے لفٹ کی طرف قدم بڑھایا لیکن پھر فوراً ہی جیسے اچانک کسی قوت نے اُسے لفٹ میں سوار ہونے سے روک لیا ہو۔

"کیا مجھے عمران کے سامنے آنا چاہیئے؟"

یہ ایک ایسا اچانک سوال تھا جس نے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیا تھا۔ لیکن یہ محض دو تین لمحوں کی کشمکش تھی۔ اس کا دماغ انتہائی تیز رفتاری سے اُسے اس کے سوالات کے جواب فراہم کرنے میں مشغول تھا۔ اس سوال کا جواب بھی بہت جلد ہی آیا تھا اور اس سے پہلے کہ لفٹ کا دروازہ بند ہو۔ بلیک زیرو لفٹ میں سوار ہو چکا تھا لیکن لفٹ میں داخل ہوتے وقت وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اپنے آپ کو عمران سے اور اسے اغوا کرنے والوں سے اُس وقت تک لاتعلق رکھے گا۔ جب تک کہ وہ عمران کی طرف سے کسی قسم کے اشارے کی پہل نہ ہو۔

عمران لفٹ میں کے درمیان لاتعلقی سے کھڑا لفٹ

کی دیوار میں نصب شیشے میں اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔ اس نے بلیک زیرو کو لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ضرور تھا۔ لیکن اسے دیکھ کر عمران کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس کی نظروں میں محض ایک اجنبی شخص کا تاثر تھا۔ بلیک زیرو نے بھی عمران کو ان ہی طائرانہ نظروں سے دیکھا تھا۔ جن سے وہ لفٹ میں موجود دوسرے لوگوں کو دیکھ رہا تھا لیکن اس کے اعصاب پوری طرح تنے ہوئے تھے۔ وہ عمران کی عادت سے واقف تھے۔ جو کسی بھی لمحے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ لہٰذا اپنی تمام لاپرواہی کے باوجود بلیک زیرو کسی بھی قسم کی صورت حال کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ اگر عمران اس لفٹ ہی میں اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کے پروگرام پر عمل کرتا تو بلیک زیرو اس کیلئے پوری طرح مستعد تھا لیکن عمران کی حرکات سے ایسی کسی کوشش کا امکان ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ البتہ اس کے ساتھ جڑ کر کھڑے ہوئے وہ دونوں نیگرو اور گورا خاصے چوکنا تھے۔

شاید انہیں کھلی فضا کی نسبت اس چھوٹی سی لفٹ میں عمران کی طرف سے کسی قسم کے ردِ عمل کی توقع تھی لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ لفٹ کا دروازہ کھلا اور لفٹ میں موجود

بھی لوگ ایک ایک کر کے باہر نکلنے لگے بلیک زیرو نے لفٹ سے نکلنے میں کسی عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی اوپر کے فلور میں جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ لفٹ میں سے باہر نکلنے والوں میں نیگرو، گورا اور عمران آخری آدمیوں میں سے تھے۔ جب وہ باہر نکل گئے تب بلیک زیرو نے بھی لفٹ ہی میں کھڑے رہنے کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے قدم باہر رکھ دیا۔ لیکن اب وہ ان کا تعاقب کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ کیونکہ عمارت کے جس فلور پر وہ اترے تھے وہ تقریباً خالی اور سنسان تھا۔ لفٹ میں سے نکلنے والے باقی لوگ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے کوریڈور میں دکھائی دینے والے مختلف دروازوں میں سے اندر داخل ہو گئے تھے جبکہ عمران کو اغواء کرنے والے لفٹ کے سامنے والی لمبی راہ داری میں دور جاتے ہوئے بلیک زیرو کو صاف دکھائی دے رہے تھے۔

راہ داری خاصی چوڑی تھی۔ اس کا فرش اور دیواریں نہایت نفیس اور چمکدار پتھر کی بنی ہوئی تھی۔ دور جاتے ہوئے ان تینوں کے قدموں کی ہم آہنگ آواز بلیک زیرو کے کانوں میں پریشان کن دھماکوں کی طرح گونج رہی تھی وہ برابر ایک اذیت ناک حالت میں مبتلا تھا۔ عمران دو اجنبی اور خطرناک لوگوں کے درمیان چلتا ہوا اس کے قریب سے ایک بار پھر دور ہو رہا تھا اور وہ اس

کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

پھر بلیک زیرو نے لفٹ کے نزدیک کھڑے کھڑے دیکھا کہ وہ تینوں چلتے ہوئے رک گئے تھے ان کے قدموں کی آواز بھی رک گئی تھی۔ جس جگہ وہ رکے تھے وہ کوئی دروازہ ہی معلوم ہوتا تھا لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کے باعث بلیک زیرو یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ محض پانچ سیکنڈوں کے اندر وہ تینوں اس کی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گئے تھے۔ عمران نے ایک بار بھی پلٹ کر بلیک زیرو کو دوبارہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی اس کا مطلب تھا کہ وہ نہایت شدید خطرے میں پھنسا ہوا تھا اور بلیک زیرو کو اس خطرے سے پرے رکھنا چاہتا تھا یا ممکن ہے دوسری صورت میں وہ ان لوگوں کے ساتھ جانے کو ضروری خیال کرتے ہوئے بلیک زیرو سے لاتعلقی برتنے کو مفید خیال کر رہا ہو۔

بہرحال عمران کے ذہن میں جو بھی کچھ تھا بلیک زیرو اس سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ ان تینوں کے غائب ہوتے ہی وہ تیزی سے کوریڈور میں چلتا ہوا اس مقام کی طرف بڑھا تھا جہاں اس نے ان کو غائب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

"کونٹی نینٹل مارشل آرٹس سنٹر"

بلیک زیرو نے اس مقام پر رک کر سیاہ بورڈ پر بڑے بڑے سفید حرفوں میں لکھا ہوا پڑھا اور ایک دم اس کے قدم

جیسے زمین پر جم کر رہ گئے۔ اسکی آنکھیں بورڈ سے ہٹ کر اب اس بند دروازے پر جم گئی تھیں جہاں سے ابھی عمران کو اندر لے جایا گیا تھا۔ بلیک زیرو خوب جانتا تھا کہ مارشل آرٹس سنٹر عام طور پر کس کام میں لائے جاتے ہیں وہ فوراً عمران کی مدد کے لیے اندر جانا چاہتا تھا لیکن وہ کسی بھی قسم کی جذباتی حرکت کرے۔ عمران اور اپنی جان کا خطرہ مول لینے کو مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

دفعتاً وہ تیزی سے کوریڈور میں بھاگنے لگا۔ اس کے ذہن نے اسے راستہ سمجھا دیا تھا۔ وہ ٹھک ٹھک کی آواز کے ساتھ دوڑتا ہوا لفٹ کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ وقت کم تھا اور خطرہ شدید۔۔۔۔۔۔

یہاں تک تو عمران بالکل خالی ذہن چلا آیا تھا۔ لیکن جوں ہی اس نے خودکار دروازے میں سے قدم اندر رکھا اور پھر اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تو ایک دم اس کے ذہن نے برق رفتاری سے کام کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت وہ ایک وسیع و عریض ہال میں کھڑے تھے اور اس کے سامنے بہت سے لوگ مخصوص لباسوں میں مارشل آرٹس کی مختلف قسموں کی ٹریننگ حاصل کرنے میں مصروف تھے۔ ہال کے مختلف حصوں سے رنگ رنگ کی چیخوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھی جو داؤ پیچ لگانے والے کے منہ سے برآمد ہو رہی تھیں۔

یہ ایک ایسا منظر تھا جسے دیکھ کر ایک عام آدمی پر خواہ مخواہ رعب اور دہشت طاری ہو سکتی تھی لیکن عمران کے لیے یہ منظر نیا نہیں تھا۔ البتہ اس نے اب خطرے کی آہٹ کو اپنے بالکل نزدیک محسوس کرنا شروع کر دیا تھا۔

اس حال میں وہ نیگرو اور دبلا پتلا آدمی زیادہ دیر تک رکے نہیں رہے تھے۔ ایک منٹ یا اس سے کچھ زیادہ پھر ان میں سے ایک نے عمران کا بازو ہلا کر اسے آگے بڑھنے کا

اشارہ کیا تھا۔ لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے وہ ایک چھوٹے سے دروازے میں سے جھک کر کہیں اندر کی طرف داخل ہوئے تھے۔ جہاں ہال کی نسبت بہت کم روشنی تھی لیکن اس کے باوجود عمران نے ایک آرام کرسی پہ نیم دراز بہت تندرست آدمی کو دیکھ لیا تھا۔ جو اس کو گھور رہا تھا۔

"ماسٹر اندر ہے۔۔۔۔۔!"

اس نے عمران کا گہری اور کرخت نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا اور یہ جملہ کہنے کے لیے اس نے عمران کو یہاں لانے والوں کے کسی سوال کا بھی انتظار نہیں کیا۔ شاید وہ پہلے ہی سے سب کچھ جانتا تھا۔ جبکہ وہ اور اس دبلے آدمی نے بیک وقت اقرار میں سر کو جنبش دی تھی اور منہ سے کچھ کہے بغیر اس مختصر راہ داری جیسے کمرے سے نکل کر ایک کشادہ سے دروازے کے ذریعے آگے بڑھ گئے تھے۔

جس جگہ وہ داخل ہوئے تھے وہ ایک مناسب کمرہ تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک بڑی سی میز تھی جس کے آس پاس کرسی یا بیٹھنے کی کوئی اور چیز نہیں تھی۔ البتہ میز پہ ایک گہرے نیلے رنگ کا ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ یہ ٹیلی فون عمران نے میز پہ ہی پڑے ہوئے نہایت مدہم روشنی کے بلب کے باعث دیکھ لیا تھا ورنہ باقی کمرہ نیم تاریکی سے بھرا ہوا تھا۔

"ہم اسے یہاں لانے میں کامیاب ہو گئے۔۔۔۔۔!"

کمرے میں ایک گرجدار آواز بلند ہوئی تھی۔ عمران نے تیزی سے پلٹ کر اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی۔ کمرے کے مشرقی کونے میں ایک غیر یقینی حد تک طویل قد اور جنوں جیسی جسامت رکھنے والا ایک نہایت بدصورت سیاہ رنگ کا آدمی کھڑا ہوا اپنی چمکدار آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تین فٹ کے برابر لمبی چمکدار تلوار جیسی کوئی چیز تھی جس کی دھار پہ انگلی پھیرتے دیکھ کر کوئی بھی شخص یقین سے کہہ سکتا تھا کہ وہ قدیم زمانے کے جلادوں میں سے ہی کوئی ایک ہوگا۔

اور جس طرح اس کی نظریں عمران کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس سے یہ ہی محسوس کیا جا سکتا تھا۔ کہ اگلے کسی بھی لمحے میں اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی چمکدار تلوار ہوا میں برق رفتاری کے ساتھ لہراتی ہوئی عمران کی گردن پہ پڑے گی اور اس کے بعد۔۔۔۔۔

عمران اس کے تیور بھانپ چکا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے اعصاب میں موجود اعتدال کو نہیں بگڑنے دیا تھا۔ بہت آہستگی سے گردن کو گھماتے ہوئے اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ نیم تاریک کمرے میں دیواروں پہ مختلف قسم کے ہتھیار آویزاں تھے۔ اور روشن لیمپ کی مدھم روشنی میں ان کی چمک کمرے میں دہشت ناکی میں مزید اضافے کا سبب بن رہی تھی۔ یہ سب

ہتھیار تھے جو مارشل آرٹس میں استعمال کیے جاتے تھے۔ عمران نے بہت اطمینان اور آہستگی کے ساتھ ان کا جائزہ لیا۔ اس دوران میں کسی نے اسے ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید خود ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ عمران ان ہتھیاروں کا جائزہ لے کر زیادہ سے زیادہ پریشان اور دہشت زدہ ہو جائے۔

"مجھے یہاں کس لیے لایا گیا ہے؟"

دیواروں پر سے نظریں گزارتے گزارتے عمران کی آنکھیں مشرقی کونے میں کھڑے اس جن نما آدمی کے وحشت خیز چہرے پر جم گئی تھیں۔ اس کی آواز مطمئن اور سپاٹ تھی۔

"کوئی سوال نہیں......!"

اس آدمی نے اپنا بالوں سے بھرا ہوا بھاری بھرکم ہاتھ فضا میں اٹھا کر کہا تھا پھر وہ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوا تھا جو عمران کو یہاں لے کر آئے تھے۔

"سالمن .... پرکلے..... تم دونوں باہر انتظار کرو میں اس سے نمٹنا چاہتا ہوں۔ اوکے" وہ دونوں سر کو ہلکی سی جنبش دیکر واپسی کے لیے پلٹ گئے تھے۔ ان کے انداز سے تابعداری اور ماتحتی کا انداز جھلکتا تھا۔

"ہاں تو مسٹر..... تمہیں یہاں تک لانے میں انہوں نے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی!" ان دونوں کے باہر چلے جانے پر وہ

جن جیسی جسامت رکھنے والا شخص نہایت مہذب انداز میں عمران سے مخاطب ہوا تھا۔

"نہیں کوئی نہیں....."

عمران نے نہایت لاپرواہی سے اس کی بات کا جواب دیا۔

"لیکن کیا یہ تکلیف کم ہے کہ ایک شریف آدمی کو پارک میں سیر کرتے ہوئے اچانک اغواء کر کے یہاں لے آیا جائے۔ میرے خیال میں اغواء کی سزا تمہارے اس ملک میں خاصی زیادہ ہے ایک شریف شہری اور وہ بھی ایک غیر ملکی شہری کا اغواء بہرحال کچھ اچھا کام نہیں۔ کیا اس سے میں یہ سمجھوں کہ تم لوگ اچھے لوگ نہیں ہو۔"

"ہمارے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ ہم کریں گے تم نہیں مسٹر!"

اس طویل قامت حبشی نے تلوار کو ہوا میں لہراتے ہوئے سپاٹ آواز میں کہا۔

"لیکن تم اپنے آپ کو جو شریف شہری ہونے کا سرٹیفکیٹ دے رہے ہو وہ ہم تم سے نہیں چھینیں گے۔ لیکن بہرحال تمہیں کچھ سوالوں کے جواب ضرور دینا ہوں گے۔ تمہارے یہاں لانے کا مقصد اور کچھ نہیں۔ اگر تم ان سوالوں کے جواب دینے پر تیار ہو تو درست ورنہ.....!"

"ورنہ کیا......؟"

اس بار عمران نے اچانک خوفزدہ ہو جانے کی ایکٹنگ کی تھی۔

"ورنہ تم کتنے ہی شریف کیوں نہ ہو۔ کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا اور جس ہال میں سے تم گزر کر آئے ہو وہاں موجود لوگوں میں سے کوئی ایک بھی تمہاری ہڈیوں کے جوڑ اس طرح کھول دے گا کہ دنیا کا کوئی مکینک ان کو دوبارہ نہیں جوڑ سکے گا!"

"کیا تم مجھے دھمکی دے رہے ہو!"

عمران کی آواز میں خوفزدگی کا عنصر بڑھ گیا تھا۔

"نہیں کوئی دھمکی نہیں۔ یہ محض اطلاع ہے۔ اور اس پیشگی اطلاع کے تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیئے......"

"تم کیا سوال پوچھنا چاہتے ہو! جلدی پوچھو مجھے اپنی محبوبہ سے بھی ملنے کے لیے جانا ہے!"

"فکر مت کرو۔ اپنی محبوبہ کا اتا پتہ ہمیں دے دو۔ ہم اسے تمہاری ملاقات کے لیے یہاں لے آئیں گے اور رہی بات سوالات کی تو وہ میں نہیں ایک اور شخص کرے گا۔ جو اس وقت یہاں موجود نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا!"

"انتظار......"

عمران نے احمقانہ سے انداز میں کہا۔

"انتظار تو میں نے کبھی اپنی محبوبہ کا بھی نہیں کیا۔ ویسے بھی یہاں میرا جی گھبرا رہا ہے میں باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"شٹ اپ......!"

اچانک اس چھوٹے آدمی کا لہجہ کرخت ہو گیا۔ غالباً اس کی اب تک کی ساری تہذیبی گفتگو اس کی عادت اور رویے کے خلاف تھی۔ پھر وہ تیزی سے ٹیلی فون کی طرف بڑھا اور عمران کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کوئی نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

"ہیلو........!"

دوسری طرف گھنٹی بجنے کے بعد اس نے اپنی آواز کی کرختگی کو دباتے ہوئے کہا

"بلیک ہیرو اسپیکنگ......آپ کا مطلوبہ آدمی اس وقت یہاں موجود ہے۔ آپ نے اس کے بارے میں جو باتیں بتائی تھیں وہ ان کے حساب سے تو خاصا احمق سا معلوم ہوتا ہے۔"

دوسری طرف سے جانے کیا کہا گیا تھا۔ کیونکہ اس طویل قامت آدمی کی آنکھوں میں حیرت اور گہری سوچ کے تاثرات بڑھتے جا رہے تھے۔

"غالباً آپ درست کہتے ہوں جناب بہرحال وہ اس وقت یہاں موجود ہے آپ چاہیں تو اس سے گفتگو کر سکتے ہیں......"

پھر وہ چند لمحوں کے لیے رکا شاید شاید دوسری طرف سے اسے کوئی نئی ہدایت وصول ہو رہی تھی۔ "وہ میرے خیال میں تو تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے جناب ویسے اگر آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے میرے لیے تو یہ ایک معمول کی بات ہے۔ او کے آل رائٹ!"...

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر میز پر دھری ہوئی تلوار کو دوبارہ اٹھا لیا تھا۔ عمران اس دوران نہایت لاتعلقی سے دیوار پر آویزاں ہتھیاروں کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ غالباً اس کی آنکھیں اپنے لیے کسی مناسب ترین ہتھیار کی تلاش میں تھیں۔

"میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا مسٹر!"

اس دیو قامت آدمی نے عمران کو بے رحم نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"اس لیے ظاہر ہے کہ میری تم سے کوئی دشمنی بھی نہیں ہے۔ لیکن میں جو کام کرتا ہوں اس میں آدمی کا دشمن یا دوست ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جن لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے وہ چاہتے ہیں کہ تم ان کے پاس جانے سے پہلے کچھ دیر میرے مہمان رہو لہذا میں تمہاری میزبانی کرنے پر مجبور ہوں۔ در اصل یہ میرا کاروبار ہے!"

"کیا تم اجنبی لوگوں کو مہمان بنانے کا کاروبار کرتے ہو!"

عمران نے بے تکا سا سوال کر دیا تھا۔ در اصل وہ بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش میں تھا!

"ہاں ......!"

دیو قامت نے عمران کا سوال سن کر دلچسپی کی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ایک پیشہ ور میزبان ہوں! لیکن میزبانی کی قیمت بہت زیادہ ادا کرنا پڑتی ہے!"

"اوہ! میں اب سمجھا!"

عمران نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

"تم ضرور کسی اچھی قسم کے ہوٹل کے مالک ہو۔ تبھی تو تم ہر اجنبی کو مہمان بنا لیتے ہو اور پھر اپنی میزبانی کی قیمت بھی ......!"

"تم جتنی بے وقوفی اور بھولے پن کا مظاہرہ کر رہے ہو میرے اندازے سے تم اس سے زیادہ چالاک ہو۔ ظاہر ہے جن لوگوں کو تمہاری ضرورت ہے۔ وہ اتنے بے وقوف نہیں کہ ایک احمق آدمی کے لیے اتنی لمبی چوڑی بھاگ دوڑ کریں!"

دیو قامت نے سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا

"بہرحال میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میں تو صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ چلو میرے ساتھ......!"

اس نے باہر کی طرف جانے والے دروازے کی طرف جاتے ہوئے عمران کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا عمران اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

"کم ان مسٹر! میں لفظ بہت کم استعمال کرتا ہوں!"

اس نے دروازے کے نزدیک پہنچ کر پلٹتے ہوئے سخت اور کرخت آواز میں کہا۔

"تم کیسے میزبان ہو۔ مہمان کی سہولت کا خیال بھی نہیں رکھتے۔"

عمران نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے ناراض سی آواز میں کہا

"میں اس وقت کہیں جانا نہیں چاہتا۔ میرا دل آرام کرنے کو چاہتا ہے۔ کیا تم مجھے کسی آرام دہ کمرے میں نہیں لے جاسکتے؟"

"میں تمہیں آرام دہ کمرے ہی میں لے جارہا ہوں مسٹر! تم آؤ تو سہی میرے ساتھ ....!"

دیوقامت حبشی آدمی نے دانت چبا کر مذاق اڑانے والی والی آواز میں کہا۔

"تب تو تو پھر ٹھیک ہے!"

عمران نے بالکل بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ لیکن دل ہی دل میں وہ جان چکا تھا کہ خطرہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اس کے سر پہ ننگی تلوار کی طرح آموجود ہوا ہے!

کمرے سے باہر نکل کر وہ اس راہداری نما جگہ میں آئے تھے۔ جہاں آرام کرسی پہ بیٹھے ہوئے سینڈو کے علاوہ کسرتی بدن والا نیگرو اور دُبلا پتلا گورا دونوں شائد ان ہی کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

"وہ کہتے ہیں پہلے اس کے کھانے پینے کا کوئی بندوبست کر دو"

دیوقامت آدمی نے ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے ذو معنی انداز میں کہا

"آخر تو یہ ہمارا مہمان ہے۔ اور ہے بھی بے چارہ غیر ملکی۔"

"اسے کھانا کہاں کھلانا ہے ماسٹر .... اور ....؟"

سینڈو نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے عمران کو تولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا

"فی الحال یہیں پہ کچھ کھانے کو دے دو جیک .... بہت بھوکا معلوم ہوتا ہے بیچارہ۔ باقی کھانا کہیں اور لے جا کر کھلا دیں لیکن فی الحال ......!"

دیوقامت آدمی کی آواز میں ایک عجیب طرح کی لاتعلقی اور کرختگی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں چمکدار تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ کی شہادت کی انگلی وہ اس کی دھار پہ پھیر رہا تھا۔ عمران نے اس کی طرف دیکھا وہ قاتلانہ چمک والی آنکھوں سے عمران

ہی کو گھور رہا تھا۔

"او کے باس ...... جیسا تمہارا حکم !"

سینڈو نے زیر لب یہ جملہ کہا اور اس کے فوراً ہی بعد اس نے اپنے اور عمران کے درمیان کا فاصلہ کم کیا تھا عمران بھی حیران ہوا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے آپ کو سنبھالتا اس کے جبڑے پر ایک شدید ضرب پڑ چکی تھی۔

عمران بہت ڈھیلا ڈھالا ہو کر اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ جوں ہی مکہ اس کے جبڑے سے ٹکرایا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ ضرب شدید تھی اس لیے لڑکھڑانا فطری بات تھی لیکن پھر فوراً ہی وہ سنبھل گیا۔ اور اس سے پہلے کہ سینڈو اپنے نہایت طاقتور اور مضبوط مکے کا دوسرا وار کرتا عمران اپنی مدافعت کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر اپنے اور سینڈو کے درمیان فاصلے کو بڑھا لیا تھا اور پھر فوراً ہی اس کے بدن میں سخت اکڑاہٹ پیدا ہو گئی اس کے دونوں بازو مخصوص انداز میں آگے کی طرف بڑھے تھے۔ یہ اس کی مدافعت کا انداز تھا وہ سینڈو پر حملہ نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھنے کی خواہش رکھتا تھا۔

کمرے میں موجود باقی سب لوگوں نے عمران کو اس طرح پوزیشن

لیتے ہوئے دیکھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ عمران کے ہونٹ مسکراہٹ کے باعث پھیل گئے تھے۔ سینڈو نے نے اگلا وار کرنے کی بجائے مذاق اڑانے والی نظروں سے عمران کی طرف دیکھا تھا۔

"مارشل آرٹس جانتے ہو کیا....... !"

یہ جملہ کہتے وقت اس کا انداز ایسا تھا جیسے ایک اسکول ماسٹر اپنے کسی طالب علم کی غیر ضروری حاضر جوابی پر مذاحیہ انداز میں حیرانی کا اظہار کر رہا ہو۔

"میں صرف زندہ رہنے کا آرٹ جانتا ہوں مسٹر !"

عمران کے لہجے میں پہلی مرتبہ ایک سرد لہر پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں سکڑی ہوئی تھیں اور وہ ان چاروں کی طرف ایسی محتاط نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے بیک وقت ان چاروں کے مقابلے میں اکیلا اپنی حفاظت کرنے کا عزم رکھتا ہو۔

"ضدی بچوں کی طرح حرکتیں کرو گے تو اور زیادہ نقصان اٹھاؤ گے !"

سینڈو کا خونخوار لہجہ کمرے میں گونجا تھا۔

"آرام سے دو چار پنچ کھا لو یہ ہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ زیادہ تنگ کرو گے تو ہم تمہارا لائف کمپیوٹر تباہ ہونے

کے ذمہ دار نہ ہو گے!"

"میں تو دوپہر کا کھانا بھی آرام سے نہیں کھاتا بھائی میاں۔۔۔ تم پنج کھانے کی بات کر رہے ہو! اور اپنی لائف کمپیوٹر کے تباہ ہونے کی بات تو بھائی صاحب اس کمپیوٹر کا چلانے والا بند کرنے والا کوئی اور ہے تم نہیں۔ لہذا ایس۔۔۔۔۔۔۔!"

"اسے آنے دو ماسٹر۔۔۔۔۔۔!"

سینڈمو نے مسکراتی ہوئی نظروں سے عمران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ویسے بھی ڈمی پر پریکٹس کرتے کرتے میرا جی بہت اکتایا ہوا ہے۔ اسے ہاتھ چلانے کی اجازت دے دو۔ یہ ہلے جلے گا تو مجھے بھی ہاتھ کھولنے کا موقع ملے گا۔ آج لائیو پریکٹس ہی سہی ماسٹر!"

"بات لائیو پریکٹس یا ڈمی فائٹ کی نہیں ہے جیک!"

"در اصل میں اسے ان لوگوں کے سامنے زندہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس کے زندہ رہنے کی ایک ہی صورت ہے کہ یہ تمہیں اشتعال دلانے کی بجائے چپ چاپ تھوڑی سی مار کھالے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک تیز آدمی ہے۔ ہماری تھوڑی سی مار اس کی تیزی ختم کرنے کے لیے بہت کافی ہو گی۔ وہ یہ ہی چاہتے ہیں۔

"تم فکر مت کرو باس میں اس کی سانس کی دوڑی نہیں ٹوٹنے دوں گا!"

سینڈمو نے اشتیاق اور بے چینی سے کہا۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں بار بار بند ہو رہی اور کھل رہی تھیں۔ وہ اپنے پاؤں وحشیانہ انداز میں زمین سے اٹھاتا اور واپس زمین پر رکھتا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ عمران کے بدن کو اپنی ضربوں کا نشانہ بنانے کے لیے بری طرح بے چین ہو۔

"نہیں اس میں خطرہ ہے جیک۔۔۔۔۔!"

دیوقامت نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا

"اگر میں نے اسے مدافعت کے لیے بھی اجازت دے دی تو یہ تم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا اور یہ بات تمہارے غصے کو بڑھانے کے لیے بہت کافی ہو گی۔ تب تم اس کا مردہ زمین پر گرنے سے پہلے اپنے ہاتھ نہیں روکو گے۔ اور میں یہ نہیں چاہتا۔ تم جانتے ہو یہ میرا کاروبار۔۔۔۔۔!"

"تم میری فکر مت کرو جن چچا۔۔۔۔۔!"

عمران نے اچانک ان کی بات کاٹ کر مزاحیہ انداز میں کہا

"میری ہڈیوں کا انشورنش ہے۔ اگر تم نے میری ہڈیاں توڑ دیں تو میری انشورنش کمپنی پانچ لاکھ ڈالر ادا کرنے کی ذمہ دار ہو

گی۔ یقین کرو میں یہ پانچ لاکھ ڈالر تمہیں دے دونگا تاکہ تمہیں
اس کاروبار میں کوئی خسارہ نہ ہو!"
"ہڈیاں ٹوٹ جانے کے بعد تم پانچ لاکھ ڈالر وصول کرنے
کے قابل ہی کہاں رہو گے بھتیجے!"
دیوقامت آدمی نے عمران کے مذاحیہ انداز پر اپنے غصے
کو ضبط کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا
"لہذا میں یہ رسک لینے پر تیار نہیں ہو سکتا"
"لیکن میں اس بھینسے سے پنجہ کھانے کا رسک بھی نہیں لے
سکتا بھائی جان!"
عمران نے ہاتھ ہلا کر کہا
"کاروبار میں ایمانداری بڑی اچھی چیز ہے اور ایمانداری کا
تقاضا ہے کہ مجھے بھی کھل کھیلنے کی اجازت ہونی چاہیئے"
"اسے اپنا شوق پورا کر لینے دو ماسٹر۔ دو پنجے اور کھا کر
یہ خود ہی ہاتھ چلانے سے معذور ہو جائے گا!"
"لیکن تم اسے زندہ رکھو گے جیک......!"
دیوقامت حبشی نے نیم رضامندی سے جیک کی طرف
نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا
"او۔کے باس تم بے فکر رہو......!"
سینڈو نما آدمی نے سر ہلاتے ہوئے کہا پھر اس کی نظریں عمران

کی طرف اٹھیں۔
"کم ان مسٹر۔ اب تمہاری باری ہے۔!"
وہ دونوں ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے اس طرح کہہ رہا
تھا جیسے کسی کم سن بچے کو تربیت دیتے ہوئے اپنی طرف بلا
رہا ہو۔ عمران نے باری باری خاموش تماشائیوں کی طرح تینوں آدمیوں
کی طرف دیکھا پھر اس کی نظریں سینڈو کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ سینڈو
کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ عمران نے اپنی جگہ سے جست
بھری اس کے دونوں ہاتھ ایک دم سمٹ کر پہلوؤں سے لپٹ
گئے تھے۔

سینڈو نے عمران کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اپنی جگہ سے
حرکت کی تھی لیکن اس کی حرکت کا انداز ایسا تھا جیسے وہ
عمران کو زیادہ لفٹ دینے کو تیار نہ ہو۔ عمران نے جس انداز سے
جست بھری تھی اس کے تحت سینڈو کے ہٹنے کے بعد اسے
راہداری کی دیوار سے ٹکرا جانا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ عمران
کے قدم بالکل اس جگہ پر پہنچ کر جم گئے تھے جہاں محض دو لمحے قبل
سینڈو کھڑا تھا۔ زمین پر قدم دھرتے ہی عمران نے پلٹنے میں دیر نہیں
لگائی تھی۔ ادھر سینڈو بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر واپس پلٹا تھا۔
لیکن جوں ہی وہ واپس پلٹا۔ عمران نے جھپٹ کر اس کے سر کو دونوں
ہاتھوں سے دبوچ لیا اور پوری قوت سے سر کو حرکت دیتے ہوئے

اس کے ہاتھ پر ٹھوکر دے ماری تھی۔ سینڈو بہت مضبوط بدن آدمی تھا لیکن اس کے باوجود ٹھوکر کھاتے ہی اس نے سر کو جھٹکا دیا تھا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھوں کی گرفت عمران کی کمر کے گرد سخت ہو گئی تھی۔ اس نے عمران کو تیزی سے اوپر کی طرف اٹھایا۔ شاید وہ اس دیوار کے ساتھ دے مارنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن عمران کا جسم زمین سے ایک ہی فٹ اوپر اٹھا تھا کہ سینڈو کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں اس کا جسم اس طرح پھڑکا جیسے پانی سے تازہ تازہ باہر نکلی ہوئی مچھلی کا بدن تڑپتا ہے۔ پھر اس کا جسم سینڈو کے ہاتھوں سے کسی چکنی مچھلی کی طرح ہی نکل گیا تھا۔

ہاتھوں کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی عمران نے ایک پاؤں کی ایڑھی پر گھومتے ہوئے اپنی ٹانگ کو ہوا میں حرکت دی تھی۔ اس کی ٹانگ ہوا میں نصف دائرے کی شکل میں لہراتی ہوئی سینڈو کے پیٹ پر پڑی — یہ ضرب شدید تھی۔ سینڈو نے ٹانگ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اسے پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ٹانگ کی بجائے اب اس کے ہاتھوں نے پیٹ کو پکڑ لیا تھا۔ عمران نے اگلا حملہ کرنے سے پہلے تین خاموش تماشائیوں کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ اور لاپرواہی کی بجائے اب حیرت کے آثار تھے۔

ان خاموش تماشائیوں کو دیکھنے کے دوران میں ہی عمران سے نظریں سینڈو کی طرف سے ہٹانے کی جو چوک ہوئی تھی۔ سینڈو نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس سے پہلے کہ عمران اس کی طرف دوبارہ متوجہ ہوتا۔ وہ اپنا وار کر چکا تھا۔ کراٹے کا ایک تپا تلا وار عمران کے دائیں کندھے پر پڑا تھا۔ اس کی ضرب اتنی سخت تھی کہ عمران کا جسم ایک طرف کو جھکتا چلا گیا سینڈو نے اپنے بھاری بھرکم بدن کے باوجود عمران کے سنبھلنے سے پہلے ہی نہایت تیزی کے ساتھ دوسرا داؤ بھی آزما ڈالا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ فضا میں دائیں بائیں پھیل گئے تھے اور تیزی سے سمٹتے ہوئے وہ عمران کی پسلیوں سے ٹکرائے تھے۔ اعصاب پر مکمل کنٹرول کے باوجود عمران نے شدید درد کی ٹیس اٹھتی ہوئی محسوس کی تھی وہ زمین کی طرف جھکتا چلا گیا۔

زمین کی طرف جھکتے دیکھ کر سینڈو نے دونوں ہاتھوں کا مکہ بنا کر عمران کے سر پر فولادی ضرب لگانے کے لیے مکے کو اوپر کی طرف اٹھایا۔ اس طرح وہ اپنے وار کو زیادہ طاقتور بنانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اپنی اس حسرت کو پورا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ جوں ہی اس کا مکہ نیچے کی طرف آیا۔ عمران پھرتی سے اٹھا پھر اس نے حیرت انگیز تیزی کے ساتھ اس کے مکے کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ

دوبارہ زمین پر گرا تھا۔ جسم کو کمر کے بل گراتے ہوئے اس
نے سینڈو کا جسم اپنے پیروں پر اچھالتے ہوئے پرے دھکیل
دیا تھا۔ سینڈو پہلے ہوا میں اچھلا پھر ایک زوردار دھماکے کے سا
زمین سے ٹکرایا اور دیو قامت حبشی کے قدموں میں جاگرا۔ دیو قامت
حبشی نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے غصے بھری نظروں سے عم
کی طرف دیکھا تھا۔ جو سیدھا کھڑا ہو کر سینڈو کے سنبھلنے کا
انتظار کر رہا تھا۔

"واٹ از دس نان سنیس جیک۔۔۔!"

دیو قامت نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم سے یہ لڑکا نہیں سنبھالا جا رہا ہے"

جیک نے منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر تیزی سے اٹھتے
چاروں طرف نظر دوڑائی تھی۔ شاید وہ اتنا بوکھلا گیا تھا کہ عمر
اسے نظر ہی نہیں آرہا تھا۔ پھر اچانک ہی عمران اسے نظر آگیا
وہ عمران کی طرف اس طرح بڑھا جیسے کوئی خونخوار بھینسا اپنے شکار
کی طرف بڑھتا ہے۔ اس کے منہ سے غراہٹ نکل رہی تھی اور
اس کے بازو ہوا میں پھیلے ہوئے تھے۔

عمران نے اس کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اپنا پہلا داؤ دوبارہ
آزمایا اور اپنی ایک ایڑھی پر گھومتے ہوئے ٹانگ ہوا میں لہرائی
لیکن اس بار داؤ میں ناکام رہا۔ کیونکہ جیک نے اس کی ٹانگ کو پکڑ

لیا تھا۔

ٹانگ پکڑ کر جیک نے پوری قوت سے عمران کو جھٹکا دیا۔
عمران کا توازن بری طرح بگڑ گیا اور اس کا وہ پاؤں زمین سے
اٹھ گیا جس کے سہارے اس نے اپنے آپ کو سیدھا کھڑا کر رکھا
تھا۔ توازن بگڑتے ہی عمران کا جسم زمین پر پیچھے کی طرف گرا۔
اس نے اپنے دونوں بازوؤں کو پیچھے کی طرف لے جاتے ہوئے جسم
کو چوٹ سے بچانے کی کوشش کی اس کے ساتھ ہی وہ کسی مشین
کی طرح اوپر اٹھا اور اس کا سینہ زور سے سینڈو کے سینے
کے ساتھ ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی عمران نے سینڈو کی گردن
کو اپنے دونوں ہاتھوں کو کسی شکنجے کی طرح کس دیا۔ پھر اس
کے بازوؤں کی گرفت تنگ ہوتی چلی گئی۔

سینڈو کے ہاتھ سے عمران کی ٹانگ چھوٹ گئی اور اس
نے اپنی گردن عمران کے شکنجے سے بچانے کے لیے دونوں
ہاتھ اوپر کی طرف اٹھائے لیکن عمران نے فوراً خود ہی اس
کی گردن کو چھوڑ دیا۔ اور اپنا ایک گھٹنا پوری قوت سے
سینڈو کی دونوں ٹانگوں کے درمیان دے مارا۔ سینڈو کے
منہ سے بھینسے کے ڈکرانے سے ملتی جلتی آواز نکلی وہ لڑکھڑا
کر پیچھے کی طرف ہٹا عمران دوبارہ اس کی طرف لپکا اور
کراٹے کا زبردست داؤ مارنے کے لیے اپنا ہاتھ لہرایا۔

"جیک...... تمہیں کیا ہو گیا ہے!"

دیو قامت حبشی کی چیختی ہوئی آواز ابھری اور عمران نے اپنا داؤ استعمال کرنے سے پہلے ہی ہاتھ کھینچ لیا۔

"جیک کو نمونیہ ہو گیا ہے جن چچا......!"

عمران نے چڑانے والی آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے دیو قامت ماسٹر کے نزدیک کھڑے دبلے پتلے جسم والے سفید چمڑی کے آدمی کی طرف دیکھ کر اپنی ایک آنکھ دبا دی تھی۔

"یو باسٹرڈ........!"

سفید چمڑی والا اس کی بے تکلف حرکت پر سیخ پا ہو کر چیخا تھا لیکن پھر اس نے محض چیخنے پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر اس نے اچانک ہی عمران پر حملہ بھی کر دیا تھا۔ عمران نے اس کے بڑھتے ہوئے مکے سے بچنے کیلئے سر کو نیچے کی طرف جھکا لیا۔ لیکن سفید چمڑی والا چالاک آدمی معلوم ہوتا۔ کیونکہ اپنے مکے کا وار خالی جاتے ہوئے دیکھ کر اس نے فوراً ہی اپنا گھٹنا عمران کے جھکے ہوئے سینہ پر مارنے کی کوشش کی تھی۔ گھٹنا عمران کے سینے سے ٹکرایا۔ چوٹ سخت تھی عمران جھٹکے سے اوپر اٹھا اور فوراً ہی اپنا حساب برابر کرنے کے لیے اس نے لیفٹ ہک کا بھرپور وار سفید چمڑی والے کے جبڑے پہ کیا تھا۔

سفید چمڑی والا ایک کراہ کے ساتھ اپنے جبڑے کو ہاتھوں سے دباتا ہوا پیچھے ہٹا تھا لیکن اس کے پیچھے ہٹتے ہی سینڈو ایک بار پھر عمران پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ عمران کی پنڈلی پر پڑنے والی اس کے بوٹ کی ٹھوکر نے عمران کو سسکاری بھرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بے اختیار لڑکھڑایا اور سنبھلنے سے پہلے ہی سینڈو کے بوٹ کی دوسری ٹھوکر اس کے گھٹنے پر پڑی تھی۔ عمران نے محسوس کیا جیسے اس کے گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ لیکن ایسا نہیں تھا کیونکہ فوری طور پر ٹانگ پر زور دے کر اس نے ہڈی کے سلامت ہوتے کا اندازہ کر لیا تھا۔ سینڈو اگلا وار کرنے کے لیے جنگلی بکرے کی طرح عمران سے لپٹنے کے لیے آگے بڑھا تھا لیکن اب عمران کا دماغ بھی آؤٹ ہو چکا تھا۔ اس نے ہوا میں جست بھری اور سینڈو کی گرفت سے دور ہو گیا۔ پھر اس نے مارشل آرٹس کے مخصوص انداز میں اپنے گلے سے ایک چیخ بلند کی اور اس آرام کرسی کو دونوں ہاتھوں سے فضا میں بلند کر لیا۔ جس پر تھوڑی ہی دیر پہلے سینڈو بیٹھا ہوا تھا۔ چیخ کی گونج ابھی راہ داری میں پھیلی ہوئی تھی کہ کرسی سینڈو کے کسرتی بدن سے ٹکرا کر اسے اپنے ساتھ لیتی ہوئی دیوار سے ٹکراتی زمین پر گری تھی۔

سینڈو کرسی کے ٹکرانے سے کراہ رہا تھا اس کا جسم دیوار سے ٹکرا کر زمین پر گرا۔ اس نے فوری طور پر اٹھنے کی کوشش

کی لیکن عمران اس کے سر پہ پہنچ چکا تھا۔ پھر اس نے اپنی پنڈلی اور گھٹنے پر پڑنے والی ٹھوکروں کا بدلہ لینے کے لیے سینڈو کو اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔ ہر ٹھوکر پر سینڈو کے منہ سے کراہ نکلتی اور اس کا جسم لڑھک لڑھک جاتا لیکن ساتویں ٹھوکر پر ہی عمران نے اچانک محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے۔ اس کے سامنے کا منظر دھندلانے لگا تھا۔ اس نے حیرت اور پریشانی کے ساتھ چونک کر پلٹتے ہوئے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

جونہی وہ پلٹا اس نے محض دو قدموں کے فاصلے پر ناقابل یقین طویل قد رکھنے والے بن مانس نما حبشی کو دیکھا جس نے اپنے ہاتھ میں تلوار کو نوّے کے زاویے میں سیدھا اٹھا رکھا تھا۔

عمران اس ایک لمحے میں ساری بات سمجھ گیا۔ اس بن مانس حبشی نے تلوار کا دستہ عمران کے سر پہ دے مارا تھا۔ لوہے کا مضبوط دستہ ہی تھا جس کی ضرب سے عمران کے ذہن کو ایک دم ماؤف کر دیا تھا۔ اس نے اپنی پوری قوت کو سمیٹ کر چلتے ہوئے اس حبشی پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تھی لیکن دستے کی ضرب اتنی زور دار تھی کہ اس نے عمران کو اس حملے کا انتقام لینے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

عمران کے ہاتھ حبشی کی طرف لپکے لیکن اس کے جسم کو چھونے

سے پہلے ہی وہ بری طرح چکرا کر لڑکھڑایا۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے میں بری طرح ناکام ہو گیا تھا۔

اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس نے محسوس کیا جیسے وہ کسی اندھے کنوئیں میں گرتا جا رہا ہو۔

چاروں طرف پھیلتی ہوئی تاریکی میں گم ہوتے ہوتے جو آخری جملہ عمران کے کانوں سے ٹکرایا تھا وہ اس دیو قامت حبشی کے منہ سے ہی نکلا تھا۔

"سٹینڈ اپ یو بلڈی جیک.....!"

پھر اس کے بعد گہرا سناٹا تھا اور اندھیرا....

بلیک زیرو تیزی سے بھاگتا ہوا لفٹ کے ذریعے نیچے اترا تھا۔ پھر وہ اسی رفتار سے بھاگتا ہوا بلند و بالا عمارت کی اوٹ میں پارک کی ہوئی اپنی امپالا کے نزدیک پہنچا اور کی پچھلی نشست پر بیٹھ کر اس نے دوبارہ دروازہ لاک کرتے ہوئے جیب سے ٹرانسمیٹر نکال لیا تھا۔

یہ لائیٹر کے سائز کا ٹرانسمیٹر تھا جسکی شکل بھی کسی لائیٹر ہی کی سی تھی اور اس سے سگریٹ جلانے کے لیے شعلہ بھی پیدا کیا جا سکتا تھا۔

ٹرانسمیٹر کو آن کرتے ہوئے اس کے ہاتھ بہت تیزی سے کام کر رہے تھے۔ جلد ہی وہ رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

"ہیلو ہیلو دس از ایکس۔ ٹو سپیکنگ اوور......"

اس نے بار بار یہ جملہ دہرایا پھر اچانک اس کی آنکھوں کی چمک میں اضافہ ہو گیا۔ اس کے جواب میں سنائی دیتے والی نسوانی آواز کو سن لیا تھا۔

"دس از جولیا سپیکنگ سر اوور.... !"

"جولیا تم اس وقت کہاں سے بول رہی ہو اور یہ بھی بتاؤ تمہارے ہمراہ ٹیم کا کون کون شخص موجود ہے اوور.... !"

"میں ہوٹل میں اپنے کمرے میں موجود ہوں جناب.... !"

جولیا کی پوری آواز ابھری

"اور اس وقت میرے ساتھ صفدر، چوہان، تنویر اور جوزف موجود ہیں۔ باقی لوگ تفریح کے لیے باہر گئے ہوئے ہیں جناب اوور.... !"

"ان سب کو فوراً تیار ہونے کے لیے کہہ دو۔ اتنا فوراً کہ جس وقت میں تمہارے ساتھ گفتگو کا سلسلہ ختم کر دوں اس وقت تک انہیں تمہارے ساتھ اس ہوٹل سے نکل کر اس عمارت تک پہنچنے کیلئے تیار ہونا چاہیے جس کا پتہ میں تمہیں بتا رہا ہوں اوور"

"بہت بہتر جناب.... اگر آپ چند سیکنڈ کے لیے مجھے اجازت دیں تو میں ان تک آپ کا حکم پہنچا دوں۔ اتفاق سے یہ سب لوگ اس وقت اپنے اپنے کمروں کی بجائے میرے اسی کمرے میں جمع ہیں اوور.... !"

پھر جولیا کی آواز آنا بند ہو گئی تھی اور بلیک زیرو نے ایکس۔ ٹو کی مخصوص بھرائی ہوئی آواز کو چند لمحوں کے لیے روک دیا تھا۔ پھر جلد ہی جولیا کی آواز دوبارہ ابھری تھی۔

"آپ عمارت کا پتہ بتا دیں جناب ....."

جولیا کہہ رہی تھی

"اور اگر آپ اس کی ضرورت محسوس کریں تو وہاں پہنچنے کی وجہ بھی بتا دیں تاکہ ہم وہاں آنے کے دوران خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیں۔ ویسے آپ نے آج کا دن تو ہمارے لیے فارغ ہی رکھا تھا جناب اوور .."

"ہنگامی حالات میں تمام پچھلے احکامات اور رعایتیں ایک دم منسوخ سمجھی جاتی ہیں جولیا!"

بلیک زیرو نے بھرائی ہوئی سرد اور سپاٹ آواز میں کہا تھا

"عمران اچانک ایک خطرناک صورت حال میں گھر گیا ہے کچھ لوگ زبردستی اغوا کر کے ایک عمارت میں لے گئے ہیں۔ اس کو اغوا کرنے والے کون ہیں اور ان کو عمران کے اغوا سے کیا فائدہ حاصل ہوگا اس کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ صورت ایسی ہے

عمران کی فوری تلاش ہمارا سب سے اہم ترین مسئلہ ہے۔ وہ لوگ
پیچھے لوگ معلوم نہیں ہوتے جہاں اسے اغوا کر کے لے جایا گیا ہے
اس جگہ کا نام ورکونٹی نینٹل مارشل آرٹس سنٹر ہے۔ اس قسم کے مارشل
آرٹس سنٹر جس طرح کی سرگرمیوں کے لیے مشہور ہیں وہ سب کو
معلوم ہے چنانچہ تم لوگوں کو وہاں پہنچ کر عمران کو نہ صرف تلاش کرنا
ہوگا بلکہ ان لوگوں کے چنگل سے نکالنا بھی ہوگا۔ اب تم غور سے
اس جگہ کے بارے میں نوٹ کرو جہاں یہ عمارت موجود ہے۔ عمران
کو اس عمارت کی تیسری منزل پر واقع مارشل آرٹس سنٹر میں لے
جایا گیا ہے۔ کیا تم راستہ نوٹ کرنے کے لیے تیار ہو۔۔۔ اوور۔"

"جناب میں تیار ہوں۔۔۔۔"

دوسری طرف سے جولیا نے کہا لیکن پھر اس کا جملہ مزید لمبا ہو
گیا۔

"ول۔۔۔ لیکن اسے پہلے میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتی
ہوں جناب! اگر آپ اجازت۔۔۔۔"

"تم سوال پوچھ سکتی ہو۔ لیکن وہ غیر ضروری نہیں ہونا چاہیئے
جولیا۔ اوور۔۔۔۔!"

بلیک زیرو نے تیز آواز میں کہا۔

"میں صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں سر کہ کیا آپ وہاں ہوں
گے جناب۔ دراصل میرا مطلب ہے کہ ہم لوگ ہر طرح سے تیار ہو
کر آئیں گے وہاں اس کے باوجود ہم اس ملک میں غیر ملکی ہیں اور اس

کے علاوہ حالات اچانک کیا رخ اختیار کریں اس کے بارے میں
ہم کچھ نہیں جانتے ایسے حالات میں آپ کی وہاں موجودگی سے ہم
کو تسلی۔۔۔۔۔!"

"میں تم لوگوں کے آس پاس ہی کہیں موجود ہوں گا۔ جولیا لیکن
عمران کو تلاش کرنے کی نگرانی اس کا ایک قریبی دوست کرے
گا۔ تم ظاہر سے تو اچھی طرح واقف ہو۔ وہ عمران کے ساتھ یہاں
آیا تھا لیکن جس وقت عمران اغواء ہوا وہ اس کے ساتھ نہیں تھا
بہر حال جس وقت تم مذکورہ عمارت کے نزدیک پہنچو گے تو وہ تمہیں
وہیں پر انتظار کرتا ہوا ملے گا۔ باقی تفصیلات وہ خود ہی تمہیں بتائے
گا۔ اب تم لوگ پوری طرح تیار ہو کر فوراً روانہ ہو جاؤ۔ دراصل
عمران کا اغواء ہمارے لیے ایک چیلنج بن گیا ہے۔ اور ہمیں ہر حالت
میں اس چیلنج کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ او۔کے اوور اینڈ آل۔۔۔!"

بلیک زیرو نے اتنا کہہ کر ٹرانسمیٹر کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا
اس نے جولیا کی طرف سے جوابی جملہ سننے کو بھی وقت ضائع کرنے
کے مترادف سمجھا تھا۔ اس کے بعد وہ گاڑی سے باہر نکل آیا
لیکن باہر نکلنے سے پہلے وہ آٹومیٹک اور بے آواز ریوالور اپنی جیب
میں ڈالنا نہیں بھولا تھا۔

باہر نکل کر اس نے بے چینی سے ان لوگوں کا انتظار کرنا
شروع کر دیا۔ وہ گاڑی سے کافی پرے ہٹ گیا تھا۔ اس کی نظریں

کبھی عمارت کی تیسری منزل کی طرف اٹھتی تھیں جہاں عمران دروازہ اور دیواروں کے پیچھے کہیں لے جایا گیا تھا اور کبھی اس کی نظریں سڑک پر سے گزرتی ہوئی ٹریفک میں نیلے رنگ کی ڈاٹسن کو ڈھونڈتی تھیں نیلے رنگ کی ڈاٹسن بھی بلیک زیرو نے اپنی امپالا کے ساتھ ہی خریدی تھی اور جب جولیا اور صفدر وغیرہ اپنے کمروں میں پہنچے تھے تو دیگر اطلاعات کے ساتھ ساتھ انہیں یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ نیچے نیلے رنگ کی ڈاٹسن ان کے ڈیوڑھی پر کھڑی ہے۔ طاہر نے اب ان لوگوں کو اپنی گاڑی کے ذریعے یہاں پہنچایا تھا۔ اچانک بلیک زیرو نے نیلی ڈاٹسن کو اس عمارت کے احاطے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ تیزی سے اس طرف لپکا۔ وہ اس اس وقت سادہ لباس اور بغیر میک اپ کے تھا۔ اور اپنی اصلی شکل میں وہ جولیا صفدر اور سیکرٹ سروس کے دیگر لوگوں کے لیے عمران کا پرانا اور گہرا دوست طاہر ہی تھا۔

جس وقت وہ ان کے نزدیک پہنچا۔ جولیا گاڑی لاک کر رہی تھی جبکہ باقی سب لوگ تیز اور گہری نظروں سے ارد گرد کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے چہروں پر سنجیدگی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جولیا نے ان کو حالات کی تمام تر سنگینی سے آگاہ کر دیا ہو۔

"ہیلو ایوری باڈی ۔۔۔۔ !"

بلیک زیرو نے ان سب کو اچانک مخاطب کرتے ہوئے اچانک

بے تکلفی سے کہا تھا۔ جولیا، صفدر، جوزف، چوہان اور تنویر کی نظریں ایک ساتھ بلیک زیرو پر پڑی تھیں۔

"اوہ طاہر صاحب ۔۔۔۔۔ ہم آپ ہی کی تلاش میں نظریں دوڑا رہے تھے۔ مجھے خطرہ تھا کہ کہیں میں ایکس ٹو کا بتایا ہوا پتہ غلط نہ سمجھا ہوں۔"

جولیا نے بلیک زیرو کو عمران کا دوست طاہر جان کر ہی بے تکلفی سے کہا تھا۔

"ہمیں ایکس ٹو نے یہاں پہنچنے کے لیے کہا تھا۔ عمران صاحب اغوا ہو گئے ہیں غالباً اس سلسلے ۔۔۔۔ !"

صفدر نے کہتے کہتے۔ جملہ ادھورا چھوڑ کر غور سے بلیک زیرو کی طرف دیکھا۔ اس کے دیکھنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ طاہر سے اس بارے میں مزید کچھ معلومات حاصل کرنے کا خواہش مند ہے۔

"میرے خیال میں باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ پہلے ہم کو عمران صاحب کے سلسلے میں کچھ کرنا چاہیئے کیونکہ میرے خیال میں وہ اس حد تک خطرے میں ہیں کہ ان کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

"اوہ نو ۔۔۔۔۔ !"

جولیا نے ایک دم شدید پریشانی کے ساتھ کہا اور اپنی بات کی تائید کے لیے صفدر کی طرف دیکھا جو خود بھی یہ بات سن کر پریشان دکھائی دیتا تھا۔ لیکن خاموش تھا۔ البتہ جوزف کے ہونٹ

[illegible] رہے تھے۔

"وہ کون ہے سن آف بچ جس نے باس کو اغوا کیا ہے۔"
اس نے شکار پر جھپٹنے والے درندے کی طرح غراہٹ بھری آواز میں طاہر کو مخاطب کیا۔

"ایک دفعہ تم ہم کو اس جگہ تک لے جاؤ جہاں باس کو وہ کتے لے گئے ہیں۔ پھر دیکھنا میں ان سے کیسے انتقام لیتا ہوں۔ اگر میں ان کے جسموں کو کھنڈروں میں نہ بدل دوں تو میرا نام بدل دینا۔ میں ان پر موت کے دیوتا کا قہر بن کر نازل ہو جاؤں گا۔ تم ایک بار.....!"

"کم ان کم ان.....!"

بلیک زیرو نے جوزف کی بات کا جواب دینے کی بجائے لفٹ کی طرف پلٹتے ہوئے ان سب کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اور محض اتفاق تھا کہ جس وقت وہ لفٹ کے نزدیک پہنچے تو اس کا دروازہ کھل گیا لفٹ سے صرف دو آدمی باہر نکلے۔ بلیک زیرو اور وہ باقی تمام ایک ساتھ لفٹ میں داخل ہوئے۔

بلیک زیرو نے فلور نمبر بورڈ پر تین نمبر کا بٹن دبایا اور اس کیساتھ ہی لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا اور لفٹ اوپر کو اٹھنے لگی۔

لفٹ میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔

"وہ مارشل آرٹس سنٹر ہے"

بلیک زیرو نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔

"جانتے وہ کون لوگ ہیں اور ان کی تعداد کتنی ہے۔ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ لوگوں کے آنے سے پہلے میں اس دروازے تک کے کئی چکر لگا چکا ہوں لیکن دروازے کے اس طرف اندر کے حالات میں نہیں جانتا۔"

وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور باری باری تیزی سے ان سب کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ سب اس کی بات پوری ہونے کے منتظر تھے۔

"لہذا ہم ہر طرح کا رسک لے کر عمران صاحب کو چھڑانے جا رہے ہیں۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں نا!"

"ہمیں یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے طاہر صاحب"
صفدر نے آہستگی سے کہا۔ اسکی آواز مضبوط اور واضح تھی۔

"عمران صاحب آپ کے دوست ہیں لیکن ہمارے لیے ان کی حیثیت محض دوست کی نہیں، وہ ہمارے لیے اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں آپ بے فکر رہیں۔ ہمیں اپنی زندگیوں کی اتنی پرواہ نہیں جتنی عمران صاحب کو آنے والی ایک معمولی چوٹ کی۔"

"میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ کیا آپ سب لوگوں کے پاس ہتھیار موجود ہیں!"

"جی ہاں ہم ہر طرح سے لیس ہیں ماہر صاحب!"

جولیا نے نرم آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی لفٹ رک گئی محض ایک سیکنڈ کے بعد دروازہ کھل گیا۔

ان کے سامنے ایک طویل خالی اور خاموش راہ داری تھی۔ یکے بعد دیگرے وہ لفٹ سے باہر نکل آئے۔ پھر ان کے قدم تیزی سے آگے کی طرف بڑھنے لگے۔ بلیک زیرو ان سب سے آگے تھا۔ جوزف اس کے قدم سے قدم ملا کر چل رہا تھا۔ اور ان کے پیچھے پیچھے جولیا، صفدر، چوہان اور تنویر۔

مارشل آرٹس سنٹر کے گہرے براؤن رنگ کے چوڑے سے بند دروازے کے سامنے پہنچ کر بلیک زیرو رک گیا۔ باقی لوگوں کے قدم بھی اس کے ساتھ رک گئے۔

"یہ ہے وہ دروازہ جہاں سے عمران صاحب کو اندر لے جایا گیا تھا!"

اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں بتایا۔

"میں دروازے پر دستک دیتا ہوں....."

صفدر تیزی سے آگے بڑھتا ہوا بولا۔ پھر اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ دروازے پر کوئی کال بل نہیں تھی۔ البتہ ایک سنہری رنگ کا ہینڈل دکھائی دے رہا تھا۔ وہ تین بار زور زور سے دستک دینے کے باوجود کسی جواب کی توقع محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

دستک کی آواز کوریڈور میں گونج رہی تھی لیکن تعجب تھا کہ ابھی تک کسی شخص نے ان سے اس طرح دستک دینے کی وجہ دریافت نہیں کی تھی۔

بلیک زیرو نے آگے بڑھ کر سنہری ہینڈل کو پکڑ کر اوپر نیچے ہلایا لیکن بے سود۔ دروازہ لاک تھا۔

"میرے خیال میں دروازہ اندر سے لاک ہے۔ ہمیں اپنی قوت کے ذریعے اندر جانا پڑے گا۔ صفدر نے غور سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم سب لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں اس دروازے کو توڑ دوں گا!"

جوزف نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دروازے کو اپنے کندھوں کی ضربوں سے توڑنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے!"

جولیا نے جوزف کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس سائلنسر لگا ہوا ریوالور ہے۔ فائر کے ذریعے اس دروازے کا خود کار لاک توڑا جا سکتا ہے!"

"تم اپنے ریوالور کی گولی ضائع مت کرو میڈم! میں ابھی ایک ہی ٹکر میں اس دروازے کو ناریل کے درخت کی طرح گرا دوں

گا۔"

"نہیں مس جولیا ٹھیک کہہ رہی ہیں جوزف ۔۔۔ ریوالور کا استعمال زیادہ آسان اور جلدی کا کام ہے۔ تم بھی اپنا ریوالور نکال لو۔ ابھی دروازہ کھلتے پر ہمیں پتہ نہیں کس طرح کے لوگوں سے سابقہ پڑے گا اس لیے آپ باقی سب لوگ بھی اپنے ہتھیار نکال کر تیار ہو جائیں۔ اور آپ مس جولیا۔۔۔۔" براہ کرم لاک پر فائر کر کے ایک دم ہم لوگوں کے پیچھے آجائیں۔"

پھر اس نے باقی ساتھیوں کو اپنی جیبوں سے ریوالور نکال کر محتاط نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھا۔

"ناؤ گو! اینڈ فائر مس جولیا۔"

جولیا پہلے ہی اپنا ریوالور نکال چکی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور ریوالور کی نال دروازے کے اندر خودکار تالے کے دکھائی دینے والے باریک سے سوراخ پر رکھ کر لبلبی دبا دی۔ "زپ" کی ایک مدھم آواز ابھری اور پھر فوراً ہی لوہے کے چیخ کر ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ بلیک زیرو نے تیزی سے آگے بڑھ کر جولیا کا بازو تھاما اور اسے پیچھے کی طرف دھکیلتے ہوئے پاؤں کی زوردار ٹھوکر سے دروازے کو کھول دیا۔

باقی لوگ بھی بلیک زیرو کے ساتھ ہی آگے بڑھے تھے۔ ان کے ریوالوروں کی نالیں سامنے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور وہ

ہر طرح کی صورت حال کا سامنے کرنے کے لیے تیار دکھائی دیتے تھے۔

دروازہ چوپٹ کھل گیا۔ اور انھوں نے دیکھا کہ سامنے ایک وسیع حال ہے۔ جس میں مارشل آرٹس میں استعمال ہونے والے مختلف ہتھیار، اوزار اور ورزش کے آلات پڑے ہوئے ہیں۔ اس ہال کو دیکھ کر کسی جمنازیم کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا لیکن ہال خالی تھا۔ وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ اندر خاموشی تھی۔

بلیک زیرو دبے دبے قدموں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ تین چار قدم چل کر وہ رک گیا۔ پھر اس نے تیزی سے نظریں چاروں طرف گھمائیں۔ کہیں بھی زندگی کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔

اس نے پلٹ کر ریوالور کے اشارے سے دروازے کے نزدیک باقی لوگوں کو اندر آنے کا اشارہ کیا اور محتاط نظروں سے کسی کی موجودگی کا سراغ لگانے کی کوشش کی۔ پھر وہ تیزی سے اس جانب بڑھا تھا جدھر ہال کے ایک سرے پر چھوٹا دروازہ بنا ہوا تھا۔ دروازہ کھلا تھا۔

"صفدر صاحب آپ میرے ساتھ آئیں۔۔۔۔!"

اس نے سرگوشی کی۔ "باقی لوگ آہستہ آہستہ ہمارے پیچھے آئیں۔ خبردار اور محتاط رہیں۔ یہاں کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے۔"

پھر وہ قدموں کی کم از کم آواز پیدا کرتے ہوئے اس چھوٹے

دروازے کی طرف بڑھے۔ بلیک زیرو اور صفدر جھک کر اس دروازے کے اندر داخل ہوگئے۔ وہ ایک راہ داری نما جگہ تھی۔ جس کے سامنے والے حصے میں ایک اور بڑا دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ راہ داری میں ایک آرام کرسی زمین پر لنگڑاتی ہوئی کھڑی۔ اس کی ایک ٹانگ اور ایک بازو ٹوٹا ہوا تھا۔

بلیک زیرو اور صفدر راہ داری سے اس دروازے کی طرف بڑھے۔ پھر دروازے پر کھڑے ہو کر انہوں نے دروازے کی اس طرف نظریں دوڑائیں۔ یہ ایک نیم تاریک کمرہ تھا جس کی دیواروں پر مختلف قسم کے ہتھیار آویزاں تھے۔ کمرے میں ایک میز رکھی تھی۔ جس پر ایک ٹیلی فون دھرا تھا لیکن کمرہ خالی تھا

بلیک زیرو نے غور سے کمرے کی دیواروں کا جائزہ لیا کہ شاید کوئی اور دروازہ کسی اور طرف نکلتا ہو لیکن ایسا نہیں تھا۔ اس نے صفدر کو واپس چلنے کا ارادہ کیا۔ واپسی پر راہ داری میں رک کر اس نے وہاں بھی کسی اور دروازے کا جائزہ لینے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

راہ داری سے نکل کر وہ واپس ہال میں آگئے۔ جہاں چھوٹے دروازے سے ذرا ہٹ کر جولیا، جوزف اور باقی لوگ کھڑے تھے۔ بلیک زیرو کو وہاں بھی اور کوئی دروازہ دکھائی نہیں دیا۔ ہال میں سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ایک ایسی تماشہ

گاہ میں کھڑے ہوں جہاں تماشہ ہوئے بہت دیر ہو چکی ہو اور خالی کرسیاں تماشائیوں کے رخصت ہو جانے کے بعد تنہائی کا احساس دلا رہی ہوں۔

"وہ کہاں گئے۔۔۔۔؟"

جولیا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بلیک زیرو کے الفاظ کو دہرا دیا تھا۔ جیسے وہ بلیک زیرو سے ان لفظوں کا مطلب معلوم کرنا چاہتی ہو۔

"باس کہاں ہے سر۔۔۔!"

جوزف کی پھنکارتی ہوئی آواز ہال میں خوفناک طریقے سے پھیلی تھی۔ وہ ایک آتش فشاں پہاڑ کی طرح دھک رہا تھا اور اب کسی بھی لمحے پھٹ پڑنے کیلئے تیار تھا۔

"وہ۔۔۔۔ کہاں لے گئے ہیں انہیں۔۔۔۔؟"

بلیک زیرو نے جوزف کے سوال جواب دینے کی بجائے خود بھی ایک سوال کر دیا تھا۔ لیکن اس سوال کا مخاطب ان ساتھیوں میں سے کوئی نہیں تھا۔ شاید وہ سوال اپنے آپ سے کر رہا تھا۔ یا شاید اس خالی مارشل سنٹر سے جس میں کچھ دیر پہلے دو آدمی عمران کو لے کر داخل ہوئے تھے۔ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا جیسے یہاں مدت سے کسی انسان نے قدم نہیں رکھا۔

اس کی تلاش میں نکلے ہوئے جانثار ساتھیوں کی پہلی مرتبہ پوری شدت کے ساتھ احساس ہو گیا تھا۔ کہ عمران واقعی اغواء ہو گیا ہے یہ خیال ان کو خوفزدہ کرنے کے لیے بہت تھا۔ انہوں نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں پریشانی کا دھندلکا تھا۔

اچانک ہال میں جولیا کی سسکیوں کی آواز ابھری۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے بے اختیار رو پڑی تھی۔

"عمران ۔۔۔ عمران تم کہاں ہو!"

نہایت مضبوط اعصاب کے مالک ہونے کے باوجود سیکرٹ سروس کی نڈر کارکن جولیا بے بسی کے شدید احساس کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ اور اس کے گرد کھڑے ہوئے لوگوں میں کوئی بھی نہیں تھا جو اس کے اس سوال کا جواب دے سکتا۔ کوئی نہیں جانتا کہ عمران کہاں ہے۔ کہیں ہے بھی یا نہیں۔ زندہ یا مردہ......


عمران سیریز
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام
PAKISTANIPOINT.COM

نیو یارک کی چیخ ۱ آپ نے پڑھی۔ کیسی
رہی۔ آپ نے اپنی رائے مجھے بھجوا دی ہوگی۔
اچھے قاری کی رائے مصنف کی بہترین
راہنما ہوتی ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ کی خواہش
اور پسند کے مطابق کہانی لکھنے کی کوشش کی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ میرا یہ سلسلہ آپ میں بے حد
مقبول ہو رہا ہے۔
اب آپ نیو یارک کی چیخ نمبر ۲ پڑھیں گے۔
اور مجھے آپ کی ملی رائے کا انتظار رہے گا۔

آپ کا مخلص

ایک طویل بے ہوشی کے بعد عمران کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہونا شروع ہو گیا۔ اس کے ذہن میں باتیں اور واقعات واضح ہونے لگے۔ بالکل اسی طرح جس طرح صبح سویرے سورج سُست رفتار کے ساتھ اوپر کو اُٹھتا ہے۔ جوں جوں وہ اوپر اٹھتا جاتا ہے اس کی روشنی پھیلتی اور بڑھتی جاتی ہے منظر واضح اور صاف ہوتے جاتے ہیں۔

" میں کہاں ہوں......؟

بیداری کی لہر پیدا ہوتے ہی اس کے ذہن میں سب سے پہلے یہی سوال اٹھا۔ چند لمحوں تک وہ آنکھیں بند کیے اس سوال کا جواب تلاش کرتا رہا لیکن بند آنکھوں کے ساتھ اس سوال کا جواب حاصل کرنا ممکن نہیں تھا،

اچانک اسے اپنے سر میں درد کی ایک تیز ٹیس محسوس ہوئی۔ اور میکانکی انداز میں اس کا ہاتھ اپنے سر کے اس حصے کی طرف بڑھا جہاں درد کا مرکز تھا۔ درد کی اس ٹیس نے ہاتھ کو حرکت دینے کے ساتھ ساتھ اسے آنکھیں کھولنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ لمبی بے ہوشی کے بعد ایک دم آنکھیں کھلنے پر اسے تکلیف محسوس ہوئی لیکن

ایک طویل بے ہوشی کے بعد عمران کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہونا شروع ہو گیا۔ اس کے ذہن میں باتیں اور واقعات واضح ہونے لگے۔ بالکل اسی طرح جس طرح صبح سویرے سورج سُست رفتار کے ساتھ اوپر کو اُٹھتا ہے۔ جوں جوں وہ اوپر اٹھتا جاتا ہے اس کی روشنی پھیلتی اور بڑھتی جاتی ہے منظر واضح اور صاف ہوتے جاتے ہیں۔

"میں کہاں ہوں......؟

بیداری کی لہر پیدا ہوتے ہی اس کے ذہن میں سب سے پہلے یہی سوال اٹھا۔ چند لمحوں تک وہ آنکھیں بند کیے اس سوال کا جواب تلاش کرتا رہا لیکن بند آنکھوں کے ساتھ اس سوال کا جواب حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔

اچانک اسے اپنے سر میں درد کی ایک تیز ٹیس محسوس ہوئی۔ اور میکانکی انداز میں اس کا ہاتھ اپنے سر کے اس حصّے کی طرف بڑھا جہاں درد کا مرکز تھا۔ درد کی اس ٹیس نے ہاتھ کو حرکت دینے کے ساتھ ساتھ اسے آنکھیں کھولنے پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ لمبی بے ہوشی کے بعد ایک دم آنکھیں کھلنے پر اسے تکلیف محسوس ہوئی لیکن

محض چند لمحوں تک آنکھیں پٹ پٹانے کے بعد وہ انہیں کھول لینے پر قادر ہو گیا تھا۔ اس دوران میں اس کا ہاتھ سر کا وہ حصہ چھو لینے میں کامیاب ہو گیا جہاں سے اٹھنے والی درد کی ٹیسیں وقفے وقفے سے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔

عمران کو اپنی انگلیوں پر چپ چپاہٹ سی محسوس ہوئی اور اس کے ساتھ ہلکی سی نمی بھی۔ اسے لگا جیسے گاڑھے جسم کے کسی مائع نے اس کی انگلیوں کے علاوہ اس کے بالوں کو بھی آلودہ کر دیا ہے۔ اس کے سر کے بال نرم اور باریک تھے جو اس وقت خاصے کھردرے اور الجھے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے سر کو چھونے والا ہاتھ اپنے سامنے کیا اور یک دم ایک منظر کسی فلم کی طرح واضح حرکت کرنے لگا۔

اس کی انگلیاں گاڑھے سرخ خون سے بھری ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے یہ خون عمران ہی کے سر سے بہا تھا اور اسی خون نے اس کے سر کے بالوں کو آلودہ کر دیا تھا۔ "مارشل آرٹس سنٹر" کا ہال پھر اس ہال کی ایک دیوار میں چھوٹا سا ایک دروازہ۔ راہ داری کی طرح کا ایک کمرہ اس کمرے میں ایک سینڈو نما آدمی ایک کسرتی جسم کا نیگرو۔ ایک دبلے پتلے جسم کا گورا اور ایک ناقابل یقین حد تک لمبا اور پھیلے ہوئے جسم کا مالک ایک شخص جسے سب "ماسٹر" کہہ کر بلاتے تھے۔ اور جس کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی..........

یہ سب لوگ عمران کے ذہن میں ایک کے بعد ایک آتے چلے گئے پھر ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہو گئے۔ عمران کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھری لیکن فوراً ہی سر کے زخمی حصے سے اٹھنے والی ٹیس نے اسے بے اختیار پھر اپنا سر ٹٹولنے پر مجبور کر دیا۔ ساتھ ہی اس کے ذہن میں فلم دوبارہ چلنے لگی۔

سی آئی اے کا ہیڈ کوارٹر، مس صوفیہ ڈپلومیٹک ایجنٹ کا دفتر۔ باب ٹیلر، لفٹ، کسرتی بدن کا نیگرو، سُرخ سپورٹس کار، تعاقب، پارک..... سفید چہرے والے دبلے پتلے آدمی کا ریوالور کی نوک پر عمران کو اغوا کرنے کی کوشش، مارشل آرٹس سنٹر، سینڈو نما آدمی سے دو بدو مقابلہ۔ سینڈو کی زبردست کوشش کے باوجود شکست۔ ماسٹر نامی لحیم شحیم آدمی کا پیچھے سے الٹی تلوار کے ساتھ عمران پر حملہ آور ہونا اور اس کے بعد...... اور اس کے بعد......

یہاں تک سوچنے کے بعد عمران کا ذہن بالکل ماؤف ہو گیا۔ کیونکہ اس کے بعد عمران کو دکھائی دینا اور سنائی دینا ایک دم بند ہو گیا۔ اور اس کے بعد سے اب محض چند لمحے پہلے تک وہ بے ہوشی کی تاریک کوٹھڑی میں کہیں گہری نیند میں گم رہا تھا۔

"میں کہاں ہوں...... ؟"

تمام واقعات یاد کر چکنے کے بعد یہ سوال ایک بار پھر عمران کے ذہن میں کسی کوندے کی طرح لپکا اور اسی تے سر کی ٹیس

اور ذہن میں چلنے والی پچھلے واقعات کی فلم کے بعد پہلی مرتبہ چونک کر اپنے دائیں بائیں دیکھنے کی کوشش کی لیکن اسے ایک مختصر سے کمرے کی چھت اور دیواروں کے علاوہ کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ لیٹا ہوا تھا۔ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور سر کو چاروں طرف گھما کر اپنے گرد وپیش پر نظر ڈالی۔ کمرے کا فرش ننگا تھا جہاں صرف ایک لمحہ قبل وہ لیٹا تھا۔ کمرے کے وسط میں چھت سے لٹکا ہوا پیلی زرد روشنی پھینکنے والا گلوب، روشنی مدھم اور ناکافی تھی۔ کمرے میں کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ پھر اچانک عمران کی نظر کمرے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی گٹھری پر پڑی۔ اپنے علاوہ اس کمرے میں یہ ہی دوسری چیز دکھائی دی تھی۔

"اس گٹھری میں کیا ہے......."

عمران نے فوری طور پر سوچا اور تیزی سے اس کونے کی طرف بڑھا۔ پھر کوئی احتیاط یا انتظام کیے بغیر اس نے گٹھری کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ لیکن جوں ہی اس کی انگلیوں نے اسے چھوا اسی لمحے عمران کو اپنے بدن میں سردی کی ایک لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کی انگلیوں نے جسے چھوا تھا۔ وہ کوئی گٹھری نہیں بلکہ ایک انسانی جسم تھا عمران ایک گھٹنا فرش پر ٹیک کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر اس انسانی جسم کو سیدھا کرنے کی کوشش کی جو واقعی ایک گٹھری کی طرح سکڑا ہوا پڑا تھا۔

جیسے ہی عمران نے اس آدمی کو سیدھا کیا جو اپنے دونوں گھٹنے پیٹ سے لگائے دیوار کی طرف منہ کیے لیٹا تھا یا شاید بے ہوش تھا تو اس پر حیرت کا ایک اور دورا پڑا۔ اس آدمی کا چہرہ سیدھا ہوتے ہی عمران بُری طرح چونکا اور ایک دم اس کا جسم چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"اوہ مائی گاڈ.......!"

عمران کے منہ سے یہ جملہ حیرت کی شدت کے باعث نکلا۔ کئی لمحوں تک وہ سیدھا کھڑا الجھی ہوئی حیرت زدہ نظروں سے اس آدمی کو دیکھتا رہا اور خود کو اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا کہ جو کچھ اسے نظر آ رہا ہے وہ کوئی خواب کا منظر نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے۔

دو منٹ سے بھی زیادہ دیر تک اس طرح کھڑے کھڑے، زمین پر لیٹے ہوئے آدمی کو دیکھتے رہنے کے بعد عمران دوبارہ گھٹنے زمین پر ٹیک کر بیٹھ گیا اور غور سے اُس آدمی کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے سامنے فرش پر بے سدھ پڑا ہوا آدمی نہ تو سو رہا ہے اور نہ ہی بے ہوش ہے بلکہ اسے مدہوش کہنا درست ہوگا۔ عمران نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر گال تھپتھپائے لیکن اس کی گہری مدہوشی کے باعث کوئی ہل چل پیدا نہ ہوئی۔

اس آدمی کے جسم پر میلا لباس تھا اور داڑھی بُری طرح بے ترتیبی سے بڑی ہوئی تھی۔ سر کے بالوں میں بھی گرد و غبار اور الجھاؤ تھا۔ معلوم ہوتا تھا اسے ایک عرصے سے غسل کرنا نصیب نہیں ہوا۔

"لیکن یہ یہاں کیسے......"

عمران نے اپنے ذہن میں اٹھتے ہوئے سوالات کے درمیان سوچا۔

"یہ شخص یہاں کیسے اور یہ لوگ جو......"

مگر عمران اس بات کو مکمل طور پر نہ سوچ سکا۔ کیونکہ اچانک ہی کمرے کی مغربی دیوار میں نصب دروازہ کھلنے کی چرچراہٹ سنائی دی تھی۔ عمران نے اسی طرح گھٹنے کے بل بیٹھے بیٹھے پلٹ کر آواز کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔

دروازے میں وہی دبلا پتلا سفید چمڑی والا آدمی کھڑا تھا۔

"گڈ لک مسٹر......!"

اس آدمی کا لہجہ خوشگوار تھا۔ وہ عمران سے مخاطب تھا۔

"تم نے جس آدمی کی تلاش میں اپنے ملک سے یہاں تک کا سفر کیا اور خواہ مخواہ اپنے لیے مصیبت مول لی۔ وہ اب تمہارے سامنے ہے۔ کیوں ہے نا مزیدار بات......"

اس نے چپ ہو کر عمران کے چہرے پر ردِ عمل تلاش کرنا چاہا لیکن عمران کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"تمہارا دشمن تمہارے سامنے ہے مسٹر! کیا تم خوش نہیں ہو!"

اس بار اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔ عمران نے ایک بار پھر زمین پر بے سدھ پڑے آدمی کی طرف دیکھا۔ واقعی اس کا دشمن ایک بے بس شکار کی طرح اس کے سامنے پڑا تھا لیکن اس کے باوجود عمران کے دل میں خوشی کی بجائے ان گنت اندیشوں کی بھنبھناہٹ شروع ہو گئی تھی۔ اسے اپنے گرد کسی مضبوط بڑے اور پھیلے ہوئے جال کی رسیاں سکڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

کمرے میں ایک اتنا سناٹا بھر گیا تھا کہ عمران کو اپنے سانس لینے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ اس کا ذہن ان گنت اندیشوں کے بھنور میں تیزی سے چکر کاٹ رہا تھا۔ ایک نامعلوم وقت تک بے ہوش رہنے کے بعد اگرچہ اب وہ اپنے حواس بحال کر چکا تھا لیکن اس کی آنکھیں خواہش کے باوجود اس کمرے سے باہر نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ مارشل آرٹس سنٹر والی عمارت ہی میں ہے یا کہیں اور...... لیکن جرائم کی دنیا کی رگ رگ سے واقف ہونے کے باعث وہ اپنے آپ کو یہ شبہ کرنے میں حق بجانب سمجھتا تھا کہ بے ہوشی کے بعد یقیناً اسے مارشل آرٹس سنٹر والی عمارت سے تو ضرور ہی کہیں اور منتقل کر دیا گیا ہوگا۔ لیکن کہاں ---- اس کا جواب عمران کے پاس نہیں تھا۔

تو پھر کہاں ..... میں اس وقت کہاں ہوں ...... عمران نے دروازے میں کھڑے ہوئے دبلے پتلے جسم والے گورے کو سرسری نظروں

سے دیکھتے ہوئے سوچا۔ اور پھر اچانک ہی ایک خیال کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپک گیا۔

"یہ آدمی یقیناً مجھے میرے سوال کا جواب دے سکتا ہے......"

اس نے سوچا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عام طور پر ایسے سوالات کے جواب نہیں ملا کرتے...... تو پھر......

بہت آہستگی کے ساتھ عمران اُٹھ کر سیدھا کھڑا ہو گیا پھر اسی آہستگی کے ساتھ نہایت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا وہ دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ لاشعوری طور پر دروازے کی طرف بڑھ رہا ہو۔ اس دوران میں اس کی نظریں گورے کی بجائے کمرے کے دروازے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ یہ ایسی صورت حال تھی کہ اس میں کسی بھی قسم کے جارحانہ عزائم کی جھلک نہیں تھی۔ لیکن محض چند قدم چل کر سفید چڑی والے سے کافی پرے ہونے کے باوجود عمران نے کسی چیتے کی طرح فضا میں چھلانگ لگا دی تھی۔ اس کا جسم پلک جھپکتے میں فضا میں بلند ہو کر دروازے کی طرف لپکا تھا اور پھر سفید چمڑی والے کو لپیٹتا ہوا عمران دروازے سے باہر جا گرا تھا۔

وہ دونوں ایک بلند آواز دھماکے کے ساتھ فرش سے ٹکرائے عمران نے کسی ہشت پائے کی طرح اس آدمی کو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی گرفت میں لینا چاہا تھا لیکن جلد ہی عمران نے محسوس کیا کہ اس کے نیچے مچلنے والا آدمی بہت آسانی کے ساتھ قابو میں

نہیں آئے گا۔

زمین پر گرتے ہی سفید چمڑی والا کسی مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل کر نکل گیا۔ پھر طویل اور سنسان راہ داری میں اس طرح فرش پر لڑھکتا چلا گیا۔ جیسے لپٹا ہوا کمبل کھل رہا تھا۔ غالباً وہ عمران کی گرفت کی حد سے باہر نکل جانا چاہتا تھا لیکن عمران جانتا تھا کہ اس کے پاس وقت بہت کم ہے اور خطرات اژدھوں کی طرح منہ کھولے ہوئے چاروں طرف سے اس کی طرف لپک رہے ہیں۔ وہ کم سے کم وقت میں فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو جانا چاہتا تھا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ جان گیا تھا کہ اس کے پاس بچاؤ کا اور کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو شدید ترین اور مہلک ترین خطرات میں ڈال دینے کے لیے تیار ہو جائے۔

چنانچہ جوں ہی وہ گورا اس کی گرفت سے نکلا۔ عمران زمین پر پڑے پڑے ہی کسی زخمی درندے کی طرح دوبارہ فضا میں اچھل کر فرش پر لڑھکتے ہوئے گورے پر گرا تھا۔ اس بار اس کے جسم کو بازوؤں کی گرفت میں لیتے ہی عمران نے اپنے دونوں پنجوں سے اس کی گردن کو دبوچ لیا اور پھر اپنی قوت کا استعمال کرتے ہوئے گردن کی گرفت کو سخت کرنا شروع کر دیا۔ اس نے دانت پر دانت جما لیے تھے۔ اور چہرے پر جبڑوں کی ابھری ہوئی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ یہاں تک کہ اپنے پنجوں میں جسم کی

ساری قوت سمیٹنے کی کوشش میں اس کی کلائیوں پر بھی رگیں ابھر آئیں تھیں۔ اسکی آنکھوں میں اس وقت ایک ایسی وحشت پیدا ہو گئی تھی جو کسی کو ہلاک کرنے والے لمحوں ہی میں پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ اس گورے کو واقعی ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

اس گورے کے سینے پر سوار ہو کر نوّے کے زاویے میں دونوں بازو پھیلائے اپنے پنجوں کی مکمل طاقت کا استعمال کرتے ہوئے عمران اسے ہلاک کرنے کے آخری لمحوں میں تھا جب اچانک اس کے نیچے دبے ہوئے گورے کے منہ سے ایک دل خراش چیخ بلند ہوئی۔ اور ایک لمبی بازگشت کی طرح کوریڈور میں پھیلتی چلی گئی۔ اس کے منہ سے نکلنے والی اس چیخ نے محض ایک لمحہ قبل تیز تیز سانسوں کی آواز کو پوری طرح دبا دیا لیکن چیخ کی یہ بازگشت ابھی اس لمبی اور سنسان راہ داری میں پھیلی ہوئی اپنی وسعت کو سمیٹ بھی نہ پائی تھی کہ ایک زور کا دھماکہ ہوا۔ یہ عمران کا جسم تھا جو گورے کے اوپر سے اٹھ کر فضا میں اڑتا کئی فٹ دور جا گرا تھا۔

دراصل اپنی زندگی بچانے کی آخری جد وجہد کے طور پر عمران کے نیچے دبے ہوئے گورے نے اپنے پیٹ کو نیچے سے اوپر کی طرف جھٹکا دے کر عمران کے جسم کو تھوڑا سا اوپر کی طرف اٹھا دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی نجانے کس طرح اس نے اپنے گھٹنوں کو پیٹ کی طرف جھکاتے ہوئے دونوں پیروں سے عمران کے جسم کو آگے کی طرف

بلکہ کر دیا تھا۔
فرش پر گر کر عمران کا جسم مزید دو ایک فٹ تک راہ داری کے چکنے فرش پر آگے کیطرف پھسلتا چلا گیا اور پھر اس کا کندھا دیوار سے ٹکراتے کے باعث رک گیا۔ کندھا دیوار سے ٹکراتے کے باعث عمران کے منہ سے کراہ برآمد ہوئی تھی لیکن ایک بار پھر انتہائی پھرتی سے خود کو اوپر اٹھاتے ہوئے عمران نے پلٹ کر لمحہ بھر کے اندر اندر اپنے شکار کو دیکھا اور اس کی طرف لپکا۔
گورا تھکے ہوئے انداز میں اوپر کی طرف اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی نظر عمران پر نہیں تھی لیکن جوں ہی عمران اس کے سر پر پہنچا۔ گورے کی تمام تر نقاہت اور تھکن ایک دم غائب ہو گئی۔ اس نے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اپنے سر کو زمین پر ٹکایا۔ اور دونوں ٹانگیں اس طرح فضا میں بلند کر لیں جیسے وہ کوئی جوکر ہو یا ایتھلیٹکس کا ماہر ہو۔ محض ایک جھلک میں عمران نے اس کو سر کے بل نوے کے زاویے میں کھڑے ہوئے دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس نے محسوس کیا جیسے اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا اچانک ہی کس دیا گیا ہو۔ اور اس لمحے کے فوراً بعد ہی عمران کو یوں لگا۔ جیسے اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی ہو اور اب وہ اپنے جسم کے ساتھ کسی گہرے کنویں میں گر رہا ہو۔
گورے آدمی کا جسم شاید ربڑ کا بنا ہوا تھا اور اس کے جسم

کے اندر شاید الیکٹرونک گیئر اور سپرنگ فٹ تھے کیونکہ عمران کے نزدیک آتے ہی اس نے سر کے بل کھڑے ہو کر فضا میں بلند دونوں پیروں کو عمران کی گردن کے گرد کس کر پنڈلیوں کے دباؤ سے اسے اپنی ٹانگوں کے شکنجے میں پھنسا لیا تھا اور پھر اس طرح سر کے بل کھڑے کھڑے کسی پھرکی کی طرح اپنے جسم کو حرکت دی تھی۔ جس کے نتیجے میں عمران کو ایک اذیت ناک کیفیت کا سامنا کرنا پڑا تھا اِنہیں ہی ایک دو لمحوں میں اس گورے نے پھرکی کی طرح گھومتے گھومتے عمران کا جسم اپنی ٹانگوں کی قوت سے فضا میں بلند کرتے ہوئے پرے پھینک دیا تھا۔

وہ کسی خاص طرح کی لڑائی کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ عمران ایک بار پھر زمین سے ٹکرایا اس بار اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ اور اس نے محسوس کیا تھا کہ سر میں کوئی نوکیلی سی شے چبھ رہی ہے۔ دراصل اس کے سر پر آنے والا زخم سے دوبارہ خون بہنے لگا تھا۔ اور اس زخم میں اٹھنے والی ٹیس کسی تیز نوکیلی شے کی طرح سر میں چبھن کا احساس پیدا کر رہی تھی۔ عمران کو اپنے ماتھے پر کوئی گرم سی شے کے بہنے کا احساس ہوا۔ اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ ماتھے کی طرف بڑھایا اور پھر خون میں بھیگی ہوئی انگلیوں کو آنکھوں کے سامنے پھیلے ہوئی دیکھ کر جیسے اس کے اندر کوئی وحشی بیدار ہو گیا۔

اس نے بہت آہستگی سے کوئی آواز پیدا کیے بغیر اپنے جسم کو اس طرح حرکت دی جیسے کوئی چالاک درندہ جھاڑیوں میں دبے پاؤں چلتے ہوئے اپنے شکار پر جھپٹنے کے لیے خود کو تیار کرتا ہے۔ پھر اس نے سر اٹھا کر دیکھا اس سے محض چار فٹ کے فاصلے پر گوریلا آدمی گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا شاید اس کے اٹھنے کا منتظر تھا۔ صرف ایک لمحے میں عمران نے اسکی آنکھوں میں اپنے لیے ایک ایسا تحقیرانہ حقارت دیکھی جو کسی شکست خوردہ آدمی کو اپنے سامنے دیکھ کر کسی فاتح کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے۔ سامنے پڑے ہوئے آدمی کو خود اپنی نظروں میں ذلت کی حد تک شرمندہ کر دینے والی حقارت سے بھری ہوئی یہ نظر عمران کو اپنے سینے میں کسی زہر میں بجھے ہوئے تیر کی طرح پیوست ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ایک دم وہ کسی آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا۔

چار فٹ کا وہ فاصلہ اس نے کڑکتی ہوئی بجلی کی طرح طے کیا تھا۔ اور گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے آدمی کے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنا سر پوری طاقت سے اس کے ماتھے پر دے مارا تھا۔ گوریلے کے منہ سے ایک دبی دبی کرب ناک کراہ نکلی اور اس کے ماتھے کی کھال اس طرح پھٹ گئی جیسے کسی نے کھردری چھری کے ساتھ بے دردی سے اس کھال کو کاٹ دیا تھا۔ خون کی دو تین باریک سی دھاریں اس ماتھے سے پھوٹ کر تیزی سے نیچے کی طرف

بہہ گئی تھیں۔ لیکن عمران کے اندر جو وحشی بیدار ہوگیا تھا اس کے لیے اتنا ہی کافی نہ تھا۔

ٹھوکر کھانے کے بعد ایک دم سے نڈھال ہونے والا گورا آدمی ابھی اپنے حواس قائم کرنے ہی کی کوشش میں تھا کہ عمران نے یہ عمل ایک بار پھر دہرایا۔ اس بار گورے کے منہ سے چیخ سی برآمد ہوئی لیکن تکلیف کی شدت کے باعث اس کے منہ سے نکلنے والی یہ چیخ زیادہ بلند نہیں تھی۔ عمران نے اسی طرح دونوں ہاتھوں سے اس کا سر دبوچے ہوئے گورے کو سیدھا کھڑا کیا۔ اس کے بعد اس نے اس زخمی گورے کے ساتھ جو سلوک کیا تھا۔ وہ عبرتناک حد تک عجیب اور خوفناک تھا۔

وہ دونوں ہاتھ گورے کی گردن پر جما کر نہایت تیزی سے اس طرح جھول گیا تھا۔ جیسے جھولا جھول رہا ہو۔ ہوا میں اپنے جسم کو جھلاتے ہوئے وہ جب اپنی ٹانگیں واپس لایا تو اس کے قدموں نے زمین کو چھونے کی بجائے براہ راست گورے کے پیٹ پر اپنا زور ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد یہ منظر دیکھنے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔ کہ گورے کا جسم کسی فٹ بال کی طرح اوپر کی طرف اچھلا اور کوریڈور کی دس فٹ بلند چھت سے ٹکرا کر دور ایک بھیانک آواز کے ساتھ گرا۔ گورے کے منہ سے اس طرح کی آوازیں نکلیں جیسے قصاب خانے میں کسی بھینسے کو حلال کیا جا رہا ہو اس کے زمین پر گرتے ہی

عمران ایک بار پھر تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کی ابتر حالت کا لحاظ کیے بغیر کسی بھوکے شکاری جانور کی طرح اس پہ پل پڑا۔ اس کے ہاتھ نہایت تیزی سے کام کر رہے تھے۔

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے اندر کبھی کسی کے لیے رحم کے جذبات موجود نہیں تھے۔ اس کے نیچے پڑا ہوا گورا کسی بے بس اور مجبور محض آدمی کی طرح کراہ اور چیخ رہا تھا اور عمران اسے اپنے ہاتھوں اور پیروں کی زد پر رکھے ہوئے اس بے دردی کے ساتھ مارے چلا جا رہا تھا جیسے وہ ایک سفاک اور ظالم شخص ہو اور جس کے دل میں ہمدردی کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

یہاں تک کہ گورے آدمی کی آواز آہستہ ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہوگئی اس کے باوجود اگلے کئی لمحوں تک عمران وحشیانہ میکانکی انداز سے اس کے بے حرکت جسم کو اپنی ٹھوکروں کی زد پہ رکھے رہا

پھر ایک دم وہ رک گیا۔ اس کے سر سے بہنے والا خون ابھی اس کے ماتھے سے ہوتا ہوا داہنے گال پر اتر رہا تھا۔ اور اس کے ماتھے پر خون کے علاوہ پسینے کی نمی اُبھر آئی تھی۔ عمران کی آنکھوں میں ابھی تک موت کی وحشیانہ چمک تھی اور جبڑوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ بے حس و حرکت گورے کے نزدیک کھڑے ہو کر، لاتعلق اور سفاک نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور تیزی سے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بنا کر انہیں کئی مرتبہ کھولا اور بند کیا۔

غالباً وہ اس طرح اپنی وحشت کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ زیادہ دیر تک وہاں ٹھہرا نہیں رہا۔ محض چند لمحوں کے بعد کوریڈور میں پھیلے ہوئے سناٹے نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

تیزی سے جھک کر وہ زمین پر بیٹھا اور اپنا سر گورے کے سینے پر جھکا دیا جو چاروں شانے چت بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ کان اس کے سینے سے لگا کر عمران نے محسوس کیا کہ گورا ابھی تک زندہ ہے۔ یہ الگ بات کہ اس کے دل کی دھڑکن اس قدر مدھم تھی کہ اس کے مزید زندہ رہنے کے بارے وہ کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا تھا۔ گورے کے ماتھے کی پھٹی ہوئی کھال کے نیچے سے خون ابھی تک بہہ رہا تھا اور دونوں کنپٹیوں کی طرف سے بہہ کر سر کے گرد آہستہ آہستہ اپنے بے ترتیب دائرے کو پھیلاتا جا رہا تھا۔

عمران اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نظروں نے محتاط انداز میں دُور دُور تک کوریڈور کا جائزہ لیا۔ کوئی آواز کوئی آہٹ سنائی نہ دی تھی۔ وہ لمحہ بھر کے لیے شدید حیران ہوا۔ اس قدر شدید اور مہلک لڑائی کے دوران میں بھی کسی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہوئی تھی؛ جبکہ گورے کے منہ سے نکلنے والی چیخیں پوری راہ داری میں گونج گونج گئی تھیں۔

کیا یہاں اس گورے کے علاوہ اور کوئی نہیں...... ایک لمحے کے لیے عمران نے سوچا یہ خیال عمران کے دل میں خوشی کی لہر پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

تاکہ توقف اور اندیشوں سے آزاد ہو کر اپنے ان نئے اور اجنبی دشمنوں سے دو دو ہاتھ کر سکے جنہوں نے اسے زک پہنچائی تھی اور اسے خواہ مخواہ پکڑ کر جانے کہاں کہاں کھینچتے رہے تھے نے وہ آدمی بھی ان ہی کی گرفت میں تھا۔ جس کی تلاش میں وہ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ وطن چھوڑ کر یہاں تک پہنچا تھا۔

"وہ آدمی......" ایک دم سے عمران کے ذہن کو جھٹکا لگا اور وہ نہایت تیز رفتاری سے اس دروازے کی طرف لپکا۔ جہاں سے داخل ہو کر اس کمرے میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔ جہاں عمران کا شکار مدہوشی اور بے ہوشی کی ملی جلی کیفیت میں بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ دروازے میں سے عمران نے دیکھا وہ اپنی پرانی پوزیشن میں دیوار کی طرف منہ کیے لیٹا ہوا تھا۔ عمران اس کے نزدیک جا کھڑا ہوا۔ اس کی نظریں تیزی سے اس آدمی کے بدن پر تھرکو رہی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ فوراً کسی فیصلے پر پہنچنے کی کوشش، پھر وہ جھکا اور اس نے بے ہوش آدمی کا جسم کمر پر بوری کی طرح لاد لیا۔

وہ اس آدمی کو اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ کمر پہ لدے ہوئے آدمی کو لے کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکلا۔ ایک لمحے کو رک کر اس نے دائیں بائیں کوریڈور میں نظریں دوڑائیں اور پھر کسی سمت کا تعین کرکے راہداری کی دائیں جانب چل پڑا وہ تیز تیز اور لمبے لمبے قدم اٹھا رہا تھا۔ راہداری

میں خاموشی اور سناٹا تھا۔ جلدی اس عمارت سے نکل جانے کا خیال عمران کے ذہن پر ایک خوب صورت خواب کی طرح چھایا ہوا تھا۔ اس دوران وہ ایکسٹو، جولیا، صفدر، چوہان، نعمانی، جوزف اور نہ جانے کس کس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"ان لوگوں کو میرے بارے میں کوئی خبر نہیں......" اس نے سوچا اور اس کے ساتھ ہی اپنے بارے میں ان کی پریشانی کا خیال کرکے عمران کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں آرہا ہوں دوستو......!"

اس نے زیرِ لب اس طرح کہا جیسے وہ اس کی آواز سُن رہے ہوں۔ لیکن اچانک عمران رک گیا۔ اس کے ماتھے پر ان گنت لکیریں اُبھریں اور منہ میں کڑواہٹ سی بھر گئی۔ اس نے طویل اکتاہٹ بھرا سانس لیا اور اپنے سامنے سیدھی کھڑی ہوئی اس دیوار کو دیکھا جس نے راہ داری کو اچانک ہی آگے بڑھنے سے روک دیا تھا۔

آگے راستہ بند تھا۔

عمران کا دل شدید کوفت سے بھر گیا تھا۔ اس نے زور سے اپنا ایک پاؤں زمین پر مار کر بیزاری کا اظہار کیا اور واپسی کے لیے پلٹ گیا۔ تقریباً پانچ منٹ تک دائیں، بائیں مڑنے والے اس کوریڈور میں چلتے رہنے کے بعد سامنے جو دیوار آگئی تھی۔ اس نے عمران کو اس بات کا احساس دلا دیا کہ اس نے اس طرف چلنے کا فیصلہ غلط کیا تھا۔

واپسی کے لیے مڑ کر اس نے محض ابھی پانچ سات ہی قدم اٹھائے ہوں گے کہ اچانک اس کو ایک بار پھر رک جانا پڑا۔ اس بار اس کا سبب وہ آواز تھی جو اس کے عقب سے آئی تھی۔

"رک جاؤ مسٹر..... آخر کب تک چلتے چلے جاؤ گے!"

جملہ انگریزی میں تھا اور آواز نسوانی۔ لہجہ شائستہ اور مہذب تھا۔ لیکن اس کے باوجود عمران نے اس شائستگی اور تہذیب کی تہہ میں چھپے ہوئے طنز کو محسوس کر لیا تھا۔

وہ رک گیا۔ اور پھر کمر پر ایک آدمی کا بوجھ لادے ہوئے،

بہت آہستگی سے پورے جسم کی حرکت کے ساتھ مڑا اور چونکا۔
پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔

"مجھے کس نے آواز دی تھی......!" عمران نے سامنے سیدھی کھڑی ہوئی دیوار کی طرف دیکھ کر تعجب سے سوچا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس سے زیادہ کچھ سوچتا اس کے سامنے کھڑی ہوئی دیوار بہت آہستہ روی کے ساتھ اس طرح اوپر کو اٹھتی چلی گئی جس طرح سینما ہال میں اسکرین پر پڑے ہوئے پردے اوپر کو اٹھتے ہیں۔

دیوار چھت کی بلندی تک تقریباً نو فٹ کے بعد اوپر اٹھتا بند ہو گئی لیکن دیوار کے اس طرف کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ سوائے ایک تاریک خلا کے..... پھر یہ تاریکی زیادہ دیر تک قائم نہ رہی تھی۔ اچانک ہی آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی سے وہ حصہ منور ہو گیا اور عمران نے دیکھا کہ ایک نہایت گداز جسم کی خوبصورت ترین لڑکیوں میں سے ایک لڑکی مسکراتے ہوئے ہونٹوں اور چمک دار نظروں سے اسے دیکھ رہی ہے۔

عمران اپنی جگہ پر ساکت کھڑا اسے محض دیکھتا رہا۔ اگلے کئی لمحوں تک اس نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی اور اس لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر محض دیکھتا رہا۔

"آؤ..... ادھر آجاؤ......!"

کئی لمحوں تک مسکراتے رہنے کے بعد اس نے ہاتھ عمران کی

طرف پھیلا کر اس طرح کہا جیسے وہ کسی ناراض بچے کو منا رہی ہو۔ اس بار اس کے لہجے میں چھپا ہوا طنز بھی نہیں تھا۔ شاید عمران آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لاتعلق اور سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتے رہنے کی بات لڑکی کو پسند آئی تھی۔

عمران خاموش اور ساکت اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کی نظریں بدستور لڑکی کے چہرے پر جمی ہوئیں تھیں اور اس کے دونوں بازوؤں نے کمر پر لادے ہوئے ایک مدہوش اور بے ہوش آدمی کو سنبھال رکھا تھا۔

لڑکی نے چند ثانیے مزید انتظار کیا اور پھر ہاتھ ہلانے کے ساتھ ساتھ اپنے سر کی حرکت سے بھی اسے اپنی طرف بلایا۔ اس نے منہ سے کوئی لفظ ادا نہ کیا تھا۔ لیکن اس بار بھی عمران اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ گورکھ دھندے کے بارے میں سوچ رہا تھا جس میں اسے پھنسا دیا گیا تھا۔

گوری چمڑی والے کے ساتھ دس پندرہ منٹوں کی لڑائی کے باوجود کسی تیسرے فریق نے کوئی مداخلت نہیں کی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ذی روح دور دور تک موجود نہیں ہے۔ اور جیسے عمران نے بے پناہ ذہانت اور کوشش سے اس سفید چمڑی والے پر قابو پا لیا اور اپنے شکار کو کمر پر لاد کر وہ اس عمارت سے نکل جانے کی کوشش میں تھا تو اچانک یہ صورت حال

پیش آئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ جو کوئی بھی ہیں۔ سارے حالات سے آگاہ ہیں"

عمران نے ذہن ہی ذہن میں اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے سوچا۔

"اور میری اور سفید چیڑی والے کی لڑائی میں بھی مداخلت نہ کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے پہلے ہی میرے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے ہوں۔ اور وہ مجھے اپنی قوت کا بھرپور استعمال کرنے کا موقع فراہم کرنے کے علاوہ مجھے ذہنی طور پر تھکانا بھی چاہتے ہوں۔ اس کے علاوہ......."

عمران اس لڑکی کے بلاوے کو نظر انداز کرتے ہوئے تیزی سے اپنے خیالات کی کڑیاں جوڑ کر حالات اور واقعات کی زنجیر تیار کرنے میں مصروف تھا۔

"اس کے علاوہ مجھے ایک ایسے کمرے میں چھوڑ دیا گیا جہاں میرا شکار بھی بے بسی کی حالت میں موجود تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مجھے نفسیاتی طور پر آزمانے کے علاوہ ذہنی طور پر پریشانی اور کمزوری کا شکار بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے...

... اس کا مطلب ہے......."

عمران ابھی اگلے خیال کو اپنے ذہن میں مرتب ہی کر رہا تھا کہ اسے وہ لڑکی اپنی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دی۔

چھت کے برابر اٹھی ہوئی دیوار کے پرے کچھ فاصلے پر چکا چوند روشنی میں کھڑی ہوئی لڑکی اپنے گداز جسم کی تمام تر چستیوں کے ساتھ عمران کی طرف بڑھی۔ اس کے جسم پر لباس کے نام پر جو بھی کچھ موجود تھا اسے غالباً کوئی بھی مہذب آدمی لباس کہنا پسند نہیں کرے گا وہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ عمران کے عین سامنے آکر رک گئی۔ اور سر اٹھا کر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا ایسی نظریں جو عام طور پر پریشان کر دیا کرتی ہیں۔

عمران نے پلکیں جھپک کر اس کی نظروں سے بچنا چاہا لیکن فوراً ہی اسے اپنی کمر پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔

"میں تمہیں بلا رہی تھی تم آئے کیوں نہیں!"

اس بار اس کے لہجے میں شکایت تھی۔ وہ اس طرح عمران کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے اس کی خاموشی اور لاتعلقی پر ناراض ہو اور اس سے ایسی توقع نہ رکھتی ہو۔

اپنے جسم پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کرتے ہی عمران—— تیزی سے پیچھے کو ہٹا اور اس کے ساتھ اس کے دماغ کی ایک خاص رو بہہ نکلی۔

"وگ...... کون ہیں آپ......!"

اس نے پیچھے ہٹ کر بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ اس کی مخصوص بوکھلاہٹ جو اس کی مخصوص حماقت ہی کے نام

منسوب کی جا سکتی تھی۔

"میں ......"

لڑکی اس کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو کر آگے کی طرف بڑھی۔

"میں تمہاری دوست ہوں ......"

"نن نن نہیں ......!"

عمران کی بوکھلاہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا وہ الٹے قدموں پیچھے کی طرف ہٹتا چلا جا رہا تھا۔

"میری کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔ امی بہت ناراض ہوتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اچھے بچے گرل فرینڈز نہیں بناتے ......"

"اوہ یاد سوئیٹ ......!"

لڑکی نے اس کی احمقانہ بوکھلاہٹ پر ایک ہوائی بوسہ اس کی طرف اچھالتے ہوئے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"لیکن تم بچے تو نہیں ہو مسٹر ......!"

"عمران ...... علی عمران ...... ایم ایس سی، پی ایچ ڈی ...... آکسن"

عمران لڑکی کے ادھورے جملے کو مکمل کرتے ہوئے اپنا نام اور تمام تر نصابی ڈگریاں روانی کے ساتھ بتاتا چلا گیا۔

"اوہ مائی گاڈ! اور اس کے باوجود تم اپنے آپ کو ایک ایسا

اچھا بچہ ۔۔۔ سمجھتے ہو جس کی ممی گرل فرینڈز بنانے پر ناراض ہوتی ہیں !"

"امی کہتی ہیں کہ آدمی چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے وہ اپنے ماں باپ کے لیے بچہ ہی رہتا ہے !"

"اوہ وٹ اے نائیس ......!"

لڑکی نے عمران کی باتوں سے بھر پور لطف اٹھاتے ہوئے مسرت سے تالی بجا کر کہا

"اس لیے میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ اگر میری ممی کو پتہ چل گیا تو وہ بہت ناراض ہوں گی اور...... !"

"تمہاری ممی کو بالکل پتہ نہیں چلے گا۔ !"

لڑکی نے اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے کہا۔

"تمہاری ممی کو کوئی بتائے گا ہی نہیں کہ تمہاری کوئی گرل فرینڈ بھی ہے...... !"

"کہیں وہ یوزف......!"

ایک دم عمران نے پریشانی اور تذبذب کے ملے جلے جذبات کے ساتھ لڑکی کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہ کسی خوف کے باعث لڑکی کے ساتھ جانے یا نہ جانے کے فیصلے میں دشواری محسوس کر رہا ہو !

"کون یوزف...... !"

لڑکی نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ ہمارا ملازم ہے۔ ایک ساڑھے چھ فٹ کا افریقی۔ جسے میری ممّی نے میری حفاظت اور نگرانی پر مقرر کیا ہوا ہے۔ وہ مجھے ڈھونڈتا ہوا یہاں تک آجائے گا۔ اور پھر تمہارے ساتھ دیکھ کر ممّی سے میری شکایت......!"

"اوہ رئیل گڈ!"

لڑکی نے زبان کو دانتوں کے ساتھ ملا کر چہ چہ کی آواز پیدا کرتے ہوئے کہا

"جوزف۔ یہاں تک نہیں آسکتا۔ تم بے فکر رہو۔ وہ تمہیں تلاش نہیں کر سکے گا اور نہ ہی اسے پتہ چل سکے گا۔ کہ تمہاری گرل فرینڈ یعنی میرے ساتھ......!"

"تم سچ کہہ رہی ہو......!"

عمران نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی بچوں کی طرح خوش ہو کر پُرجوش آواز میں کہا۔

"ویس کم آن......!"

لڑکی نے اسے آمادہ دیکھ کر اس کی طرف بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں کی چمک تیز ہو گئی تھی اور ہونٹوں کی مسکراہٹ اور پھیل گئی تھی۔

عمران جلدی سے اس کی طرف بڑھا لیکن پھر محض ایک قدم

چل کر رک گیا اور اس کے ماتھے پر بل سا اُبھر آیا جیسے اسے کوئی خیال آیا ہو۔

"کیا اسے بھی میں اپنے ساتھ لا سکتا ہوں......!"

اس نے سر کے اشارے سے اپنی کمر پر لدے ہوئے آدمی کے بارے میں پوچھا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے بچہ اپنے کھلونے کو ساتھ رکھنے کا خواہش مند ہو۔ لڑکی کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے تذبذب سا پیدا ہوا پھر وہ نارمل ہو گئی۔

"او یس وائے ناٹ..... کم آن؟....."

عمران نے سر کو اس طرح حرکت دی جیسے اب وہ پوری طرح اس لڑکی کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو۔

لڑکی نے بھی جواب میں اطمینان بھرے انداز میں سر کو حرکت دی پھر وہ مڑ کر اس طرف کو بڑھی جہاں وہ کچھ دیر پہلے کھڑی ہو کر عمران کو بلا رہی تھی۔ عمران اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اپنی پرانی جگہ پر پہنچ کر وہ لڑکی رک گئی۔ عمران بھی اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"تت..... تم رک کیوں گئیں.....!"

عمران نے احمقانہ سادگی سے پوچھا۔ جواب میں لڑکی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی اس کا دوسرا ہاتھ فضا میں لہرانے کے انداز میں

بلند ہوا۔ عمران نے اپنے پیچھے بہت ہلکی سی سرسراہٹ محسوس کی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ چھت کی بلندی تک اوپر اٹھ جانے والی دیوار دوبارہ نیچے کی طرف آرہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد دیوار فرش میں اس طرح پیوست ہو چکی تھی کہ گہری نظر سے دیکھ کر بھی یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ اسے فرش سے میکانکی انداز میں علیحدہ کر کے چھت کے برابر اونچا کیا جا سکتا ہے۔

عمران نے حیرت بھری نظروں سے لڑکی کی طرف دیکھا جو خاموشی اور چمک دار نظروں سے عمران کو دیکھ رہی تھی۔ عمران کی آنکھوں میں سوال بھری حیرت دیکھ کر وہ مسکرائی لیکن خاموش رہی۔ ایک بار پھر اس نے لہرانے کے انداز میں ہاتھ کو فضا میں بلند کیا اور عمران نے نہایت خفیف انداز میں محسوس کیا کہ اس کے قدموں پر بوجھ بڑھ گیا ہے۔

"کیا ہم اوپر جا رہے ہیں۔!"

عمران نے نہایت سادگی کے ساتھ یہ سوال کیا تھا۔ جس کے جواب میں لڑکی نے اثبات میں سر کو ہلکی سی جنبش دی اور عمران کے بازو کو چھونے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"نن..... نہیں تم مجھے نہیں چھو سکتیں..... !"

عمران نے خوفزدہ سی آواز میں کہا اس کے ساتھ ہی

وہ ایک قدم پیچھے کی طرف ہٹ گیا۔ جس جگہ وہ دونوں کھڑے تھے وہ پندرہ فٹ سے بھی زیادہ وسعت رکھنے والا ایک چوکور کمرہ سا تھا۔ اور عام نظر میں اُسے لفٹ کہنا مناسب معلوم نہ ہوتا تھا۔

"کیوں..... میں تمہیں کیوں نہیں چھُو سکتی بھلا!"

لڑکی کی آواز شرارت تھی۔

"نن نہیں..... لڑکیوں کے چھونے سے مجھے گدگدی ہوتی ہے!"

عمران نے اپنے جسم کو اس طرح حرکت دیتے ہوئے کہا جیسے یہ جملہ ادا کرتے ہوئے بھی اس کے بدن میں گدگدی ہو رہی ہو۔

"اوہ یونانی براۓ..... !"

لڑکی نے دلچسپی کے ساتھ عمران کو دیکھتے ہوئے کہا اس کے ساتھ ہی عمران نے اپنے قدموں پر پڑے ہوئے بوجھ کو ختم ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ اگلے ہی لمحے اس کمرہ نما لفٹ بکس کی ایک دیوار سرک کر کہیں غائب ہو گئی۔

"ہیئر کم آن..... !"

لڑکی نے دیوار کے سرک جانے سے بنے ہوئے راستے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا جدھر عمران کی پشت تھی۔

عمران لڑکی کے پیچھے چلنے کے لیے مڑا اور ایک دم اس کی

آنکھوں میں حسرت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ دیوار سرک جانے کے باعث جو منظر سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک وسیع ہال کا تھا۔ ایک ایسا ہال جس میں عام آواز بھی گونجدار آواز میں بدل جاتی ہے اور دیر تک آدمی اپنے ہی کہے ہوئے جملے کی بازگشت سن سکتا ہے۔

ایک نہایت بلند چھت اور وسیع و عریض رقبہ گھیرنے والا ہال جو اعلیٰ فرنیچر اور مخملی پردوں کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ اور اس ہال کی شمالی دیوار کے قریب دو سے تین فٹ تک بلند ایک چبوترے پر بڑی بھاری اور قیمتی لکڑی کے میزوں کے پیچھے بچھی ہوئی ایسی ہی بھاری اور آرام دہ کرسیوں پر دراز کچھ لوگ.... ہال مکمل روشنی سے بھرا ہوا تھا۔ اور وہاں موجود ایک ایک چیز حسب ضرورت اور حسب منشاء واضح اور صاف دکھائی دے رہی تھی۔

عمران نے اپنے کندھوں پر لدے ہوئے نہایت گندے، میلے لباس میں ملبوس ایک آدمی کو سنبھالتے ہوئے سحرزدہ انداز میں قدم آگے بڑھایا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا ہال کے بھاری اور دبیز کارپٹ پر چل رہا تھا۔

لڑکی اب اس سے تقریباً لاتعلق ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود ابھی پہلو بہ پہلو چل رہی تھی۔ اور عمران کی نظروں کا جائزہ لے رہی تھی۔

عمران کی نظریں چبوترے پر پڑی بڑی میزوں کے پیچھے

کرسیوں پر براجمان ان لوگوں پڑ رہی تھی جن میں سے دو کو وہ نہایت آسانی کے ساتھ پہچان سکتا تھا۔

ان میں سے ایک ڈپلو میٹک ایجنٹ مس صوفیہ کا منگیتر باب ٹیلر تھا۔ اور دوسرا وہی تیز مزاج نوجوان جس سے عمران سی آئی اے ہیڈ کوارٹر کے فلور نمبر تین پر دو بار ٹکرایا تھا اور تیسرا......

عمران کا ذہن اس وقت ایک ایسی سکرین کی طرح تھا جس پر کوئی منظر نہ ہو۔ وہ محض چل رہا تھا۔ سحر زدہ سے انداز میں قدم اٹھاتا آہستہ آہستہ وہ چبوترے کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس کے کندھے پر اس کا شکار تھا، لیکن وہ خود اس وقت ایک ایسے شکار کی طرح تھا جو اپنے چالاک شکاریوں کی طرف خود بڑھ رہا تھا۔

پھر چبوترے سے محض چند فٹ کے فاصلے پر رک گیا اور باب ٹیلر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا جو مسلسل خاموشی کے ساتھ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ویل کم مسٹر عمران......"

چند ثانیے کی مکمل خاموشی کے بعد چبوترے کے پیچھے سے باب ٹیلر کی آواز ابھری۔ وہ مسلسل عمران کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عمران نے جواب میں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

"ہمیں افسوس ہے کہ اس ملک میں ایک مہمان ہونے کے باوجود تمہیں بعض دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا......"

باب ٹیلر سپاٹ آواز میں کہہ رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ کو پڑھ رہا ہو۔ اس کی آواز جذبات سے عاری اور لاتعلقی سے بھری ہوئی تھی۔

"لیکن ہمیں اس بات کی بھی خوشی ہے کہ تم اپنے ملک سے جس اپریشن کو سرانجام دینے کے لیے یہاں آئے تھے اس میں بہت جلد کامیابی نے تمہارے قدم چوم لیے۔ ہم اس کے لیے تمہیں مبارک باد پیش کرتے ہیں! لیکن......"

باب ٹیلر اپنا ایک جملہ مکمل کرکے اور دوسرے جملے کا آغاز کرنے سے پہلے وقفے کے طور خاموش ہوا اور عمران کے چہرے پر اپنی باتوں کا ردعمل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ عمران پتھر کی طرح منجمد چہرے اور جسم کے ساتھ اپنی جگہ جما ہوا کھڑا تھا۔

"لیکن اخلاقی طور پر ہم بھی تمہارے شکریے کے حقدار ہیں۔ کیونکہ تم اپنے ملک کے سے جس آدمی کی تلاش میں نکلے تھے وہ تمہیں ہماری مدد اور کوشش کے بغیر اس قدر آسانی سے نہیں مل سکتا تھا۔"

باب ٹیلر نے عمران کے کندھوں پر پڑے ہوئے بے حس و حرکت آدمی کو دیکھتے ہوئے کہا جو ایک بوری کی طرح عمران کی کمر پر لٹک رہا تھا۔

"ہم اس بات سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ یہ شخص تمہاری حکومت کا اور تمہارے ملک کا ایک ایسا مجرم ہے جو تمہارے قانون کے مطابق سزا کا حقدار ہے۔ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ غداری یا بغاوت کی سزا موت ہی ہو سکتی ہے۔ اس شخص نے تمہاری موجودہ حکومت کا تختہ الٹنے کی جو سازش کی تھی وہ عملی شکل میں رونما ہونے سے پہلے ہی طشت از بام ہو گئی۔ تمہاری حکومت نے اس سازش میں شامل بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ لیکن یہ شخص فرار ہونے میں کامیاب

ہو گیا۔

عام طور پر ہم اپنے دوست ملکوں سے بھاگے ہوئے اخلاقی مجرموں کو یا سیاسی مجرموں کو پناہ نہیں دیتے لیکن تم جانتے ہو کہ ڈپلومیٹک صورت حال میں کبھی کبھار ایسی گنجائش بھی نکل آتی ہے جو عام قانون کے برعکس فوری اور ہنگامی فیصلوں پر مجبور کر دیتی ہے۔

اس شخص نے ہمارے ملک میں آکر یہاں پر موجود تمہارے ملک سے آئے ہوئے تارکین وطن کے ایک بڑے گروہ کو ساتھ ملا کر تمہارے ملک کے خلاف مہم شروع کر دی۔ اور کھلے عام جلسے اور احتجاجی مظاہرے تشکیل دیئے تب تمہاری حکومت نے تمہیں خصوصی اختیارات کے ساتھ یہاں بھیجا تاکہ تم اسے کسی بھی حالت میں گرفتار کر کے اپنے ملک واپس لے جاؤ تاکہ وہاں کے قانون کے مطابق عدالتی کارروائی سے گزار کر اس آدمی کو عبرت ناک سزا دی جائے۔

"...... کیوں میں نے ان تفصیلات کے بتاتے میں کوئی غلطی تو نہیں کی ......"

"نہیں تم نے کوئی غلطی نہیں کی مسٹر باب میلر...... !"

اچانک عمران نے بے تکلفی کے ساتھ اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کمر پر لادے ہوئے آدمی کو جھک کر دبیز قالین پر لٹا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا

جیسے اسے کسی گہرے نشے کا کوئی انجکشن لگا دیا گیا ہو۔

اسے قالین پر لٹا کر عمران سیدھا کھڑا ہوا اور دلچسپ نظروں سے چاروں طرف دیکھا، پھر اس کی نظریں دوبارہ باب ٹیلر پر جم گئیں۔

”میرے خیال میں یہ تفصیلات تمہیں تمہاری سیکرٹری نے فراہم کی ہوں گی۔ میرا مطلب ہے مس صوفیہ ڈپلومیٹک ایجنٹ سی آئی اے۔ ہیڈ کوارٹر آفس نمبر......

عمران نے شوخ آواز میں کہتے کہتے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر باب ٹیلر کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس تیز مزاج لڑکے کی طرف دیکھا جس نے عمران کی دو مرتبہ ہتک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن پھر خود ہی عمران کی چالوں کا شکار ہوا تھا۔

”صوفیہ کا اس سارے کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے مسٹر عمران ......!“

باب ٹیلر کی آواز اس بار قدرے نرم تھی۔ غالباً عمران کی بے تکلفی نے اسے اپنی بات کا لہجہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”دراصل تم نے بہت عقل مندی کا مظاہرہ کیا کہ صوفیہ کو اس آپریشن میں شامل کرنے کی بجائے خود ہی ذاتی طور پر......“

”ہاں! آئی دفعہ میری ممی نے مجھے نصیحت کی تھی کہ یہاں کی لڑکیوں سے بچنے کی کوشش کروں۔ کیونکہ ذرا سی

بے تکلف ہونے پر وہ فوراً شادی کا پیغام بھیج ڈالتی ہیں۔ اور میری ممی کہتی ہیں کہ ابھی میری عمر شادی کے لائق.....!"

"تمہاری ممی ٹھیک کہتی ہے مسٹر — عمران !"
باب ٹیلر کے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے نے برا سا منہ بنا کر شدید طنزیہ انداز میں کہا

"واقعی تم ابھی شادی کے لائق نہیں ہو۔ ویسے بھی مس صوفیہ کے ساتھ تمہاری شادی کوئی مناسب معلوم نہیں ہو گی کیوں مسٹر باب.......!"
لڑکے نے سر کو ذرا سی حرکت دے کر باب ٹیلر کی طرف دیکھا جو پہلے عمران اور اب اس لڑکے کے جملے سن کر کافی بدمزہ ہو رہا تھا۔

"کیا تم واقعی اتنے احمق ہو مسٹر عمران..... جتنے کہ بظاہر نظر آتے ہو......! اچانک باب ٹیلر نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے تیز آواز میں کہا۔

"نہیں مسٹر باب..... اس سے زیادہ !"
عمران نے یہ جملہ اس انداز سے کہا تھا جیسے سوال کرنے والے کی معلومات درست کر رہا ہو

"لیکن ممی کہتی ہیں مجھے یہ بات کسی کو نہیں بتانی چاہیئے....."
باب ٹیلر نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ چبوترے سے نیچے

اتر آیا۔ پھر وہ نپے تلے قدموں کے ساتھ آہستگی سے چلتا ہوا عمران کے عین مقابل آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو مسٹر عمران...... !"

چند ثانیے تک عمران کا جائزہ لیتے رہنے کے بعد باب ٹیلر نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تم ہمارے اندازے سے کہیں گہرے اور پُراسرار شخص ہو۔ جانتے ہو نیچے تہہ خانے میں تم ابھی کچھ دیر پہلے جس آدمی کو ہلاک کر چکے ہو وہ ہمارا ایک انتہائی قیمتی شخص تھا۔ ایک ایسا شخص جس سے پورے ملک میں دست بدست لڑائی جیتنے والا کوئی شخص موجود نہیں۔ جو اپنے مدمقابل کے جسم کی ہڈیاں توڑ کر اسے ہمیشہ کے لیے معذور بنا کر چھوڑ دیتا تھا۔ جو دستی لڑائی کے جدید ترین طریقوں سے آگاہی رکھنے والوں میں پہلے نمبر پر شمار کیا جاتا تھا...... تم نے اسے نہ شکست دے دی بلکہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہم یہ تمام منظر یہاں اس ہال میں بیٹھ کر ایک سکرین پر دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے بھی تم مارشل آرٹس سنٹر میں...... "

"زیادہ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر باب ......!"

چبوترے پر بیٹھے ہوئے لڑکے نے اکتاہٹ سے کہا۔ اس کا

لہجہ جلایا ہوا تھا جیسے وہ عمران کے بارے میں ہونے والی باتوں سے بور ہو رہا ہو۔
"تم اس سے معاملے کی بات کیوں نہیں کرتے.....!"
"معاملے کی بات......!"
باب ٹیلر نے پر اسرار طور پر دہرایا۔
"آل رائٹ ــــ آل رائٹ......!"
اس نے اپنا ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالتے ہوئے۔ دوسرے ہاتھ کو فضا میں لہراتے ہوئے اس طرح کہا جیسے کسی بہت بڑے ہجوم کے سامنے کوئی بہت بڑا انکشاف کرنے جارہا ہو۔
"ہم تمہارے ساتھ ایک ڈیل کرنا چاہتے ہیں۔ مسٹر عمران...!"
اس نے عمران کے چہرے پر نظریں گاڑ کر رک رک کر کہا۔ ان کی بے تکلف مسکراہٹ نے باب ٹیلر کو اپنی بات جاری رکھنے پر آمادہ کر دیا تھا۔
لیکن اس ڈیل سے پہلے تمہارے سامنے ایک دو باتوں کی وضاحت بہت ضروری ہے.....! کیا تم میری بات سننے کے لیے تیار ہو!"
"تیاری سے آپ کی کیا مراد ہے مسٹر باب.....؟"
عمران نے نہایت سادگی کے ساتھ پوچھا۔

"کیا مجھے لباس تبدیل کر کے تیار ہونا پڑے گا......؟"

"او نو مسٹر!"

باب ٹیلر اس کے جملے کو سن کر محفوظ ہوا تھا۔

"میری مراد یہ تھی کہ کیا تم ڈیل کے سلسلے میں سنجیدگی سے بات کرنے اور بات سننے کے لیے تیار ہو!"

"آپ نے مجھ پر یہ بہت بڑا احسان کیا ہے مسٹر باب کہ میرا مجرم تلاش کر کے میرے حوالے کر دیا ہے۔ باقی رہی بات لڑائی جھگڑے کی تو میں نے اس کا بُرا نہیں مانا۔ ہمارے ملک میں اکثر مثال دی جاتی ہے کہ جہاں دو برتن ساتھ ساتھ ہوں گے وہاں ضرور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرانے کی آواز پیدا ہو گی۔ لہٰذا ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ ایک طرح سے میرے محسن ہیں۔ اور میری ممی کہا کرتی ہیں کہ احسان کا بدلہ احسان ہی سے چکایا جا سکتا ہے۔ میں آپ کے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں آپ کے کس طرح کام آ سکتا ہوں۔ آپ بتائیں مسٹر باب ٹیلر ......میں آپ کی ہر بات سننے کے لیے تیار ہوں.....!"

"تم ہمارا ایک کام کر دو گے....."

باب ٹیلر نے رک رک کر کہنا شروع کیا۔ عمران نے چونک کر سر اٹھایا اور بغیر منہ سے کوئی لفظ کہے منتظر نظروں سے اس

ی طرف دیکھا۔ باب ٹمپیلر براہ راست اس کی آنکھوں
میں دیکھ رہا تھا۔

" یہ ایک ایسا کام ہے جس کے لیے ذہنی طور پر خود کو
تیار کرنے میں تم کو اپنا ذہن تیار کرنا پڑے گا میرا مطلب ہے
ایک ایسا کام جس کے بارے میں شائد تم نے آج تک نہ سوچا
ہو......"

باب اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ عمران کے چہرے پر
اپنی بات کی پر اسراریت کا ردِ عمل تلاش کر رہا تھا۔

" ایسا کون سا کام ہے مسٹر باب جس کے لیے آپ کو ایک
لمبی تمہید باندھنے کی ضرورت ہو رہی ہے۔ آپ کہیں تو سہی۔
میں نے کہا تھا کہ آپ میرے محسن ہیں، اور میں......"

" تمہیں یہاں رہ کر اپنے ملک کی موجودہ حکومت کے
خلاف اپنے ہم وطنوں کے احتجاجی جلسے اور جلوس منعقد
کرنا ہوں گے......"

" اپنے ملک کے خلاف جلسے اور جلوس......"

عمران کے منہ سے یہ جملہ شدید حیرت کے ساتھ نکلا۔

" یہاں تمہارے ملک میں رہ کر اپنے ملک کے خلاف....
عمل...... لیکن......"

عمران بولتے بولتے رک گیا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے

اسے یقین نہ آرہا ہو کہ جو کچھ اس سے کہا گیا ہے وہ درا
بھی سنا گیا ہے یا نہیں۔

"یہ ایک بہت آسان اور سیدھا سا کام ہے۔ مسٹر عمران
....

باب ٹیلر نے عمران کی حیرت اور بوکھلاہٹ کا جائزہ لیتے
بہت نرم آواز میں کہا۔

"تمہیں اس سلسلہ میں خود پلیٹ فارم پر آنے کی ضرو
نہیں۔ یہ کام پس پردہ رہ کر بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح
جیسے کہ اب تک ہوتا رہا ہے"

" لل لیکن ..... عمران نے ایک ثانیے کی خاموشی کے دو
باب ٹیلر کی طرف دیکھتے ہوئے اکھڑی ہوئی آواز میں کہ
" لیکن میں کیسے اپنے ملک کے خلاف میرا مطلب ہے
کہ آپ مجھے اپنے ملک سے غداری پر اُکسا رہے ہیں مسٹ
باب.......!"

"تمہارا خیال غلط ہے مسٹر عمران ......"
باب ٹیلر نے نرم اور مہذب آواز میں کہنا شروع کیا
غالباً وہ عمران کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اعلیٰ اخلا
طرز عمل کو درست سمجھتے ہوئے ایسا کر رہا تھا۔
"ان احتجاجی مظاہروں کے ذریعے نہ تو تم اپنے و

سے غداری کروگے اور نہ ہی تمہاری موجودہ حکومت کو اس سے کوئی خاص نقصان پہنچے گا لیکن ہمیں یقینی طور پر اس سے بہت فائدہ حاصل ہو گا۔

"آپ کو فائدہ حاصل ہو گا......"

عمران نے اسی طرح سوچ میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا۔ جیسے وہ اس منصوبے کے مختلف پہلوؤں کا بغور جائزہ لے رہا ہو۔

"ہاں! ہمارا مقصد ان مظاہروں اور جلسوں سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ اپنی پارٹی کے لیے کامیابی کی راہ ہموار کریں اور......"

"تم بہت زیادہ تفصیل میں جا رہے ہو مسٹر باب......!"

چبوترے پر میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے نوجوان جاسوس نما آدمی نے باب ٹیلر کو ٹوکنے کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

باب ٹیلر نے پلٹ کر ایک نظر اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرائیں اور عمران نے دیکھ لیا کہ محض اس ایک نظر میں باہمی رضامندی کی ایک چمک ان دونوں کی آنکھوں میں پیدا ہوئی تھی۔

"تمہارا تعلق کس پارٹی سے ہے۔ مسٹر باب اور تم ان احتجاجی جلسے جلوسوں سے کس قسم کی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو۔۔۔؟"

عمران نے اس بار بہت ٹھہری ہوئی آواز میں سوال کیا تھا۔ در اصل وہ جان گیا تھا کہ اب معاملہ ایک ایسے دوراہے پر آگیا ہے جہاں ذہانت کے ساتھ صورت حال کا تجزیہ کیے بغیر بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔

"اس بات کو چھوڑو مسٹر عمران......"

باب ٹیلر نے اچانک ہی اپنی آواز میں سرد مہری پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہارے ساتھ ایک کھلی ڈیل کر رہے ہیں۔ اگر تم ہمارا یہ کام کرنے کے لیے تیار ہو تو پھر ہم تمہیں یہاں سے زندہ باہر نکلنے کا مختار نامہ دے سکتے ہیں۔ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ تمہارا یہ مجرم بھی تمہارے ساتھ ہی باہر جا سکتا ہے لیکن اگر تم ہمارے ساتھ یہ معاملہ طے کرنے سے انکار کرتے ہو تو پھر......"

باب نے خاموش ہو کر ایک بار پلٹ کر اس نوجوان کی طرف دیکھا۔

"تو پھر ہمیں افسوس ہے کہ تم اور تمہارا یہ مجرم دونوں ہمیشہ کے لیے اسی تہہ خانے میں دفن کر دیئے جاؤ گے جہاں تم ابھی تک ——— زندہ حالت میں موجود ہو، اور کوئی نہیں جان سکے گا کہ تم کبھی اندر تھے۔ تم اور تمہارا مجرم دونوں......"

یہ جملے باب ٹیلر کی بجائے اس لڑکے ہی کے منہ سے نکلے تھے۔

عمران نے سر اٹھا کر اس جاسوس نما بدتمیز اور کرخت لہجے والے بد دماغ لڑکے کی طرف دیکھا اور خاموش رہا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ کن لوگوں کے درمیان ہے۔ ان لوگوں کا تعلق کن دوسرے لوگوں سے ہے اور وہ کیوں عمران کے ملک کے خلاف مظاہرے اور جلسے کرانا چاہتے ہیں اور یہ کہ عابد نامی تیجے کارپٹ پر پڑا ہوا بے ہوش آدمی ان کے قابو میں کیسے آگیا۔ اور اس کی یہ حالت کیوں بنا دی گئی بلکہ اس کی اطلاع کے مطابق عابد یہاں اس ملک میں رہ کر بھی عمران کے ملک اور وہاں کی موجودہ حکومت کے خلاف مظاہرے اور جلوس ہی تو ترتیب دے رہا تھا۔

صرف چند لمحوں کے اندر اندر عمران نے اپنے سارے سوالات کا جائزہ لیا کر اسے اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کو فوری طور پر تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

"کیا میں سوال کر سکتا ہوں مسٹر باپ ......!"

عمران کا لہجہ نرم تھا۔

"یقیناً تم کوئی بھی سوال کر سکتے ہو!"

باپ میئر نے لاتعلق سی آواز میں کہا۔

لیکن کسی بھی سوال کا جواب دینا ہماری اپنی مرضی پر منحصر ہوگا!"

"کیا مجھے بلیک میل کیا جا رہا ہے!"

عمران نے نہایت آہستگی سے پوچھا۔

"یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب تمہیں پہلے سے معلوم ہے مسٹر عمران.........!"

باب ٹیلر سپاٹ آواز میں بولا

"بہت خوب......"

عمران نے سر کو ذو معنی انداز میں حرکت دیتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ یقیناً وہ اپنے سوال کا جواب جانتا تھا لیکن اس کے ذہن میں اس سوال کے کرنے کے پس منظر میں ان لوگوں کو ذہنی طور پر ایکسپوز کرنا بھی تھا جن سے بالکل ناگہانی طور پر اس کا سابقہ پڑ گیا تھا۔

"اب میں آپ سے ایک ایسا سوال کرتا ہوں جس کا جواب میرے ذہن میں نہیں ہے......"

اس نے باب ٹیلر اور اس نوجوان کے چہروں کا بغور جائزہ لیتے ہوئے کہا

"اگر آپ میرے ملک کے خلاف مظاہرے اور جلوس اور جلسے منعقد کروا کر کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ کام تو آپ کے سامنے بے سدھ پڑا ہوا یہ آدمی بھی کر رہا تھا۔ پھر اسے میں اس حالت میں کیوں دیکھ رہا ہوں۔؟"

سوال کرنے کے بعد عمران خاموشی سے باب ٹیلر کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ جس کی آنکھوں میں عمران کا سوال سنتے ہی ایک

پر اسرار اور مکار سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

"بے شک تم ایک ذہین اور گہرے آدمی ہو مسٹر عمران"

وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔ پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ چہرے کی طرف بڑھا کر اپنے داہنے گال کو رگڑا اور دوسرے ہاتھ کے اشارے سے قالین پر پڑے بے سدھ لیٹے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

"ہمارے ملک میں پچھلے ایک سال کے دوران جتنے بھی ایسے احتجاجی جلسے اور جلوس ہوئے ہیں جن کا تعلق تمہارے ملک اور موجودہ حکومت کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے سے تھا وہ اس آدمی کا کام نہیں تھا۔ یہ آدمی تمہارے ملک سے تعلق رکھنے والے تارکین وطن کے مظاہروں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔۔۔"

باب ٹیلر خاموش ہو گیا۔ عمران کی آنکھیں اس کی باتیں سُن کر بتدریج سکڑتی گئیں۔ ہال میں ایک گہرا سناٹا کئی لمحوں تک چھایا رہا پھر اس سناٹے کو عمران کی بوجھل آواز نے ہی توڑا تھا۔

"تو پھر یہ سب کون کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔! پچھلے ایک سال کے دوران اس ملک میں میرے وطن کے خلاف جو احتجاجی مظاہرے ہوئے ہیں ان کا انتظام اگر یہ شخص نہیں تو پھر کون کر رہا ہے"

"ہم ...."

باب ٹیلر کی آواز میں ایک طنز تھا۔ ایک رعب تھا ایک چیلنج تھا اور ایک دھمکی تھی۔

"تم........!"

عمران نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا ایک دم اس کے سینے میں شدید غیض و غضب کا ایک جلاکر راکھ کر دینے والا شعلہ بھڑکا تھا۔ اس کا ایک قدم برق رفتاری سے آگے کی طرف بڑھا۔ جیسے وہ باب ٹیلر کو اپنی گرفت میں لے کر اس کے جسم کے پرزے پرزے کر دینا چاہتا ہو۔ لیکن پھر اس کا آگے کو بڑھا ہوا ہاتھ پتھر کی طرح منجمد ہو گیا۔

"جذباتی مت بنو عمران..... جذباتی مت بنو.....!"

اس کے کانوں میں کوئی خاموش سی سرگوشی سنائی دی۔

یہ سرگوشی کسی اور نے نہیں خود اس کے شعور نے کی تھی۔

کسی مجسمے کیطرح ساکت اپنی جگہ پر کھڑے عمران نے آئندہ کی حکمت عملی کو محض دو تین ہی لمحوں میں طے کر لیا اور ایک طویل سانس لے کر اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"مجھے منظور ہے مسٹر باب..... مجھے یہ ڈیل منظور ہے!"

اس کی آواز سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بہت تھکا ہوا ہو۔

یہ ایک مضحکہ خیز حد تک عجیب منظر تھا۔ ہر طرف قیامت کا شور برپا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی اور عجیب و غریب لباسوں میں ملبوس ان گنت لوگوں کا ایک سیلاب تھا۔ جو ہر طرف سے اسی چوک پر اُمڈا پڑ رہا تھا۔

یہ دنیا کے مشہور ترین شہروں میں سے ایک شہر کا سب سے معروف چوک تھا۔ اس چوک پر چار مختلف سمتوں سے آنے والی بڑی بڑی اور چوڑی سڑکیں ایک دوسری سے ملتی تھیں۔ ان سڑکوں کے علاوہ ان کے پہلوؤں میں ساتھ چلنے والی چھوٹی چھوٹی ڈگیوں جیسی پختہ سڑکیں بھی اس چوک کو کراس کرتی تھیں۔

بے پناہ ٹریفک کے علاوہ پیدل چلنے والوں کا ایک ہجوم تھا جو مستقل یہاں دکھائی دیتا تھا۔ یہ چوک ایک تجارتی مرکز میں واقع تھا

لیکن اس وقت یہ چوک ایک تجارتی مرکز کی بجائے احتجاجی مرکز دکھائی دیتا تھا۔ رنگ برنگے مختلف ڈیزائنوں کے اول

فول لباسوں میں ان گنت لوگ تھے جو چیختے چلاتے۔ فضا میں ہاتھ ہلاتے ایک سمجھ میں نہ آنے والے غصّے کا اظہار کرتے ہوئے یہاں جمع ہو رہے تھے۔ ان میں سے اکثر کے ہاتھوں میں پلے کارڈ اور بینرز تھے۔ جن پر طرح طرح کی عبارتیں درج تھیں۔ ان عبارتوں کا مزاج احتجاجی تھا۔ طرح طرح کے نعرے تھے جو ان پر لکھے ہوتے کے علاوہ یہ ہجوم با آواز بلند کر رہا تھا۔ لیکن اس احتجاجی جلوس میں نظم و ضبط نہ ہونے کے باعث مختلف گروہ جو نعرے لگا رہے تھے ان کی آوازیں دوسرے گروہوں سے ٹکراتے کے باعث واضح طور پر کچھ بھی سنائی نہ دیتا تھا۔ البتہ بینرز اور پلے کارڈ پڑھ کر صورت حال کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

یہ اعظم امریکہ کے ایک جدید ترین شہر کے معروف چوک میں ہونے والا یہ احتجاجی مظاہرہ ایشیا کے ایک ترقی پذیر ملک پاکیشیا کے خلاف تھا۔ یہ مظاہرین پاکیشیا کے بارے میں جو جذبات رکھتے تھے وہ اتنے عجیب تھے کہ حقیقت حال کی خبر رکھنے والے لوگ اس مظاہرے کو محض ایک سرکس کا شو سمجھنے سے زیادہ کوئی وقعت دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

اس مظاہرے کی دلچسپ بات یہ تھی کہ مظاہرین کی اکثریت کا تعلق پاکیشیا ہی سے تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے ہی ملک کے خلاف مظاہرہ کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ

تھے جو ترکِ وطن کر کے براعظم امریکہ کے اس ملک میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ سیاسی پناہ گزین تھے۔ جنھوں نے اس ملک میں داخلے کے لیے ایک عجیب ڈھونگ رچایا تھا۔

وہ اپنے ملک سے ناجائز طور پر فرار ہو کر یہاں پہنچے تھے اور خود کو مظلوم ظاہر کرتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ان کے ملک کی موجودہ حکومت نے ان پر اتنے مظالم توڑے ہیں کہ وہ مزید اپنے ملک پاکیشیا میں رہنے کی قوت برداشت نہیں رکھتے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ موجودہ حکومت ان پر اس لیے مظالم توڑ رہی ہے۔ کہ وہ سابقہ حکومت کے وفادار تھے۔ اور موجودہ حکومت چونکہ سابقہ حکومت کا تختہ الٹ کر برسر اقتدار آئی ہے لہٰذا وہ ان تمام لوگوں کو اپنا دشمن سمجھتی ہے جو سابقہ حکومت کے وفادار اور پسند کرنے والے تھے۔

اب یہ الگ بات ہے کہ پاکیشیا کی موجودہ حکومت سابقہ حکومت کے حامیوں کے ساتھ کیسا سلوک کر رہی تھی لیکن یہ بھی کہ براعظم امریکہ کے اس ملک میں سیاسی پناہ حاصل کرنے والے ان لوگوں کی اکثریت ایسے افراد پر مشتمل تھی جو نہ تو سابقہ حکومت کے حامی تھے اور نہ ہی موجودہ حکومت سے ان کی کوئی دشمنی تھی انھوں نے اپنے ترقی پذیر ملک میں رہ کر اپنے ملک کی خدمت نہ کرنے اور وہاں اپنے روزگار کے وسائل کو بہتر نہ بنانے اور زیادہ سے زیادہ دولت کمانے اور یورپ

وہ امریکہ کی جدید ترین طرز زندگی کے شوق میں غیر قانونی طریقوں سے ملک سے فرار حاصل کیا تھا اور پھر یہاں پہنچ کر رشوتوں یا اندرونی تعلقات کو استعمال میں لا کر سیاسی پناہ حاصل کر لی تھی ؛ وہ ہر طرح کی اخلاقی اور قومی حمیت کو داؤ پر لگا کر محض اپنے ذاتی فوائد کے حصول کے لیے یہاں آئے تھے۔ اور اب یہاں بے روزگاری الاؤنسوں کے ذریعے اپنا پیٹ پال رہے تھے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بعض ادر حرکتوں میں بھی ملوث تھے۔ ایک طرف تو بیروزگاری الاؤنس حاصل کرتے تو دوسری طرف چوری چھپے مختلف کام کر کے بھی پیسے کماتے تھے۔ اس طرح سے پیسے کمانے کے طریقے وہ عام طور پر حکومت کی نظر سے پوشیدہ رکھتے تھے کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کا بے روزگاری الاؤنس بند ہو جاتا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ براعظم امریکہ کے اس ملک میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کے بعد خود اس ملک کے قانونی تقاضوں کے خلاف بھی سرگرم عمل تھے۔ وہ ہر اس کام کو سرانجام دینے کے لیے تیار تھے۔ جس کے ذریعے انہیں کوئی مالی فائدہ ہو سکتا تھا۔ اس احتجاجی مظاہرے میں ان کی شرکت بھی اس مالی فائدے کے پیش نظر تھی۔ کیونکہ انہیں ایک احتجاجی مظاہرے کے عوض پچاس ڈالرز کی رقم دینے کی پیشکش کی گئی تھی۔ اور وہ اس بات کا اندازہ کیے بغیر کہ

ان مظاہروں میں شرکت کر کے وہ خود اپنے ملک اور قوم کی بے عزتی کا سامان کر رہے ہیں، محض دولت کی ہوس میں ان جلوسوں اور جلسوں میں شریک ہو رہے تھے جن کے اغراض و مقاصد کے بارے میں وہ معمولی سی معلومات بھی نہیں رکھتے تھے۔ وہ اس بات سے بھی پوری طرح بے خبر تھے کہ یہ جلسے اور جلوس کون کروا رہے ہیں۔ اور اس سے کیا نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

محض دولت کے لالچ میں وہ اپنے وطن سے فرار ہو گئے تھے اور اب یہاں وطن سے ہزاروں میل دور دولت ہی کی خاطر اپنے ہم وطنوں اور اپنے ملک کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے۔

ان میں سے بعض کے گلوں میں ڈھولک تھے۔ بعض نے اپنے ہاتھوں میں دف سے ملتے جلتے موسیقی کے آلات تھام رکھے تھے اور بعض نے تو یورپی اور امریکی انداز میں گٹار گلے سے لٹکا رکھے تھے۔

تھوڑی دیر تک تو وہ چیخ چیخ کر سمجھ میں نہ آنے والے نعرے بلند کرتے پھر وحشیانہ انداز میں چیختے چلاتے کچھ دیر کے لیے خاموش ہو جاتے اور کورس کی شکل میں مقبول عام پاپ یا اپنے ملک کے لوک گیت گانے لگتے۔ جس دوران وہ گانے بجانے میں مصروف ہوتے انہیں دیکھ کر ایسا لگتا جیسے وہ احتجاجی مظاہرے کی بجائے کسی میلے میں شریک ہوں اور

گا بجا کر میلے کو پُر رونق بنا رہے ہوں۔

ان کی اس ہڑبونگ نے اس تجارتی مرکز کے معمولات کو تھوڑی ہی دیر میں الٹ پلٹ کر دیا تھا۔ بیشتر شوروم، ڈیپارٹمنٹل سٹور اور دکانیں بند کر دی گئی تھیں کیونکہ ان کے مالکان کسی بھی قسم کا نقصان برداشت کرنے کا خطرہ مول لینا نہ چاہتے تھے۔

ان کے چوک کے عین بیچ میں جمع ہونے کے باعث مختلف سمتوں سے آنے والا ٹریفک بھی جام ہو رہا تھا۔ یہ ایسی صورتِ حال تھی جو شہری نظم وضبط کو تلپٹ کرنے کے لیے بہت کافی تھی۔ ظاہر ہے ان حالات میں شہری نظام کو قائم رکھنے والے اداروں کا حرکت میں آنا لازمی بات تھی۔

ان مظاہرین کو چوک میں جمع ہوئے ابھی دس منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ مقامی پولیس کی ایک بڑی تعداد وہاں پہنچ گئی، اور انھوں نے مظاہرین کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

پولیس کو اپنے چاروں طرف دیکھ کر تھوڑی سی دیر کے لیے مظاہرین میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ نعرے لگانا اور گانا بجانا بھول گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پولیس کی آمد کے بارے میں پریشان ہوں۔ لیکن صرف چند منٹ کی ایسی کیفیت کے بعد احتجاجی ہجوم کے درمیان سے تیس چالیس آدمیوں کا ایک جتھہ اچانک برآمد ہوا۔ ان آدمیوں کے ہاتھوں میں کرکٹ کی بال کے سائز کے انڈے جتنی شکل

کے گیند تھے۔ دھوپ کی پیلی روشنی میں ان کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو تی تھیں۔

پھر اچانک ہی ان چالیس کے قریب آدمیوں نے اپنے ہاتھ فضا میں بلند کیے اور چوک میں چاروں طرف کھڑے ہوئے مقامی پولیس والوں کی طرف وہ گیند پوری قوت سے پھینک دیئے۔

فضا میں تیرتے ہوئے تیز رفتاری سے ہوا کو کاٹتے ہوئے وہ بیضوی شکل کے گیند پولیس کی طرف بڑھے سینکڑوں کی تعداد میں موجود مظاہرین اور تماشائیوں نے دیکھا کہ وہ ان پولیس والوں سے اور چوک کے گرد بلند و بالا عمارتوں سے ٹکرائے تھے۔ اور ساتھ ہی کان پھاڑ دینے والے ان گنت دھماکوں نے پوری فضا کو لرزا کر رکھ دیا تھا۔

عمارتوں کی دیواروں یا سڑکوں اور پولیس کی وردیوں میں ملبوس سپاہیوں کے جسموں سے ٹکرا کر انہوں نے شعلوں کی طرح چمکدار تیز اور جلا دینے والی روشنی پیدا کی تھی اور اس سے پہلے ان دھماکوں کی گونج ختم ہوتی وہ چوک انسانی چیخوں اور آہ و پکار کے ایک بے چین اور زخمی سمندر میں تبدیل ہو گیا تھا۔

یہ ہینڈ گرینیڈ تھے جنہوں نے جانے کتنے لوگوں کے جسم چیتھڑوں میں تبدیل کر دیئے تھے۔

احتجاجی مظاہرہ اجتماعی قتل و غارت میں تبدیل ہو چکا تھا۔

عمران اس وقت ایک گیارہ منزلہ عمارت کی چھت پر موجود تھا۔ یہ عمارت اس چوک پر لب سڑک شمالی سمت میں دوسری بلند و بالا عمارتوں کے درمیان گھری ہوئی تھی جہاں اس وقت ایک ایشیائی ملک پاکیشیا کے تارکین وطن خود اپنے ہی وطن اور حکومت کے خلاف مضحکہ خیز مظاہرے میں مصروف تھے۔

عمران کے ہاتھوں میں دوربین تھی اور وہ چھت کے کناروں پر ہی تین فٹ بلند گرلز پر اپنے بازو ٹکائے اس دوربین کو نیچے کی طرف جھکائے ادھر ادھر گھماتا ہوا مظاہرے کا منظر دیکھ رہا تھا۔

مظاہرین اس کے سامنے ہی مختلف سڑکوں سے نکل کر چوک میں جمع ہوئے تھے۔ یہ احتجاجی مظاہرہ عمران کے زیر انتظام ہوا تھا۔ باب ٹیلر کے ساتھ ڈیل فائنل کرنے کے بعد اسے بے شمار ہدایتوں کے علاوہ ناموں کی ایک طویل فہرست بھی دی گئی تھی۔ یہ نام ان پاکیشیائی تارکین وطن کے تھے جو یہاں سیاسی پناہ لیے ہوئے تھے اور باقاعدہ کرائے پر مظاہروں میں شرکت کرتے تھے۔

ناموں کے آگے ان کے پتے بھی درج تھے، لیکن عمران کو بتایا گیا تھا کہ اسے ان پتوں سے کوئی غرض نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ یہ باپ لیڈر اور اس کی پارٹی کی ذمہ داری ہے کہ وہ گمنام خطوط کے ذریعے ان لوگوں کو پوشیدہ طور پر ایک مقام پر طلب کرے گی اور انہیں مظاہرے کے دن مقام اور وقت کے بارے میں ہدایات دینے کے علاوہ مظاہرے میں شرکت کا ایڈوانس بھی ادا کیا جائے گا۔

صرف تین دن کے بعد عمران کو تین تیگرد باڈی گارڈز کی نگرانی میں ایک ایسی عمارت میں لے جایا گیا جہاں سینکڑوں کی تعداد میں اس کے ہم وطن موجود تھے۔ یہ عمارت جس مقام پر واقع تھی وہ کاروباری اور رہائشی علاقوں سے ہٹ کر تھی۔ اور اس سے محض ایک فرلانگ کے فاصلے پر سمندر واقع تھا۔ جہاں عام طور پر ساحلی تفریح کے لیے آنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہاں ان تارکین وطن کے جمع ہونے کے بارے میں کسی بھی مقامی آدمی نے خصوصی طور پر غور کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ ان لوگوں کو جس خط کے ذریعے مدعو کیا گیا تھا۔ اس کے نیچے خط لکھنے والے کا نام عابد علی تحریر تھا۔ ہر تارکین وطن اس نام سے پہلے سے واقف تھے کیونکہ پہلے بھی کئی مرتبہ ایسے ہی خطوط کے ذریعے مختلف جگہوں پر مدعو کرکے مظاہرے کی تفصیلات کے بارے میں بتایا گیا تھا۔

عابد علی کے روپ میں عمران نے ان تارکین وطن کے مجمع سے ایک بہت ہی جذباتی اور غیض و غضب سے بھرپور تقریر

کی تھی۔ اس تقریر کے بعد عمران کو باقاعدہ میک اپ کے ذریعے
اپنا حلیہ تبدیل کرنا پڑا تھا۔ اس کی شکل کو تبدیل کر کے اس آدمی کی
شکل کا میک اپ کیا گیا تھا جسے عمران نے اپنے شکاری کی حیثیت
سے گرفتار کرنے کیلئے پاکیشیا سے براعظم امریکہ تک کا سفر کیا تھا
جو اس کے ملک کے ایک سازشی اور غدار کی حیثیت سے فرار
ہوا تھا۔ اور بعد میں جسے عمران نے ایک تہہ خانے کے کمرے میں
بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہوا پایا تھا۔ اب یہ بات عمران پر
پوری طرح مکمل چکی تھی کہ اس کے وطن کے خلاف اس ملک میں
ہونے والے مظاہروں کا اہتمام عابد علی کی کارستانی نہیں بلکہ جو
بھی آدمی اب تک ان مظاہروں کی راہنمائی کرتا رہا ہے وہ عابد
علی کے میک اپ میں کوئی اور شخص تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شخص
باب ٹیلر اور اس کی "پارٹی" ہی کا کوئی آدمی تھا۔ عمران نے اس
بات پر بھی غور کیا تھا کہ آخر عابد علی کا میک اپ کرنے کی ان
لوگوں کو کیا ضرورت ہو سکتی تھی جس کے جواب میں عمران نے
اپنے آپ کو اس طرح مطمئن کیا تھا کہ اگر ان مظاہروں کو کسی
پاکیشیائی کی بجائے کوئی مقامی آدمی چلاتا تو شاید اتنے سارے
تارکین وطن کو اکٹھا کرنا ممکن نہ تھا۔ علاوہ ازیں ان مظاہروں
کی حیثیت مضبوط ہونے کی بجائے مشکوک ہو جاتی۔ اس کے ساتھ
ہی ساتھ باب ٹیلر اور اس کی "پارٹی" پاکیشیائی حکومت کو غلط رنگ
میں الجھانے میں بھی کامیاب ہو گئی تھی۔ اور اس کا حقیقی ثبوت ا

تھا۔ کہ حکومت نے عمران کو خصوصی اختیارات کے ساتھ عابد علی نامی سازشی کو گرفتار کرنے کے لیے یہاں بھیجا تھا کیونکہ ان مظاہروں کے باعث عالمی برادری میں پاکیشیا کے وقار کو سخت دھچکا پہنچ رہا تھا۔

عمران اب تک اس بات سے پوری طرح بے خبر تھا کہ آخر یہ کون سی "پارٹی" ہے جس کے لیے باب ٹیلر اس سے اپنے ہی ملک کے خلاف کام لے رہا ہے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ عمران نے باب ٹیلر کے کہنے پر یہ مظاہرہ ترتیب دینے کی حامی بھر لی تھی۔ اور پھر اپنے ملک سے تعلق رکھنے والے تارکین وطن کے سامنے عجیب وغریب جذباتی تقریر کرکے انہیں اگلے روز شہر کے معروف ترین چوک میں ایک مخصوص وقت میں مظاہرہ کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔

اس نے اپنی تقریر میں سابقہ حکومت سے وفاداریوں کا بار بار ذکر کرتے ہوئے موجودہ حکومت پر ایسے ایسے الزام عائد کیے تھے جو ان بے خبر تارکین وطن کے جذبات مظاہرے کے حق میں گرم کرنے میں کافی معاون ہوئے تھے۔

باب ٹیلر نے اس کی تقریر کی بہت تعریف کی تھی۔ اور اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ سیکرٹ سروس کو چھوڑ کر سیاست کو اپنا کیریئر بنائے کیونکہ اس میں سیاسی قیادت کی بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں۔ عمران نے اس کے اس نیک مشورے پر غور کرنے کی حامی

پھیلی تھی اور اب اس وقت وہ ایک گیارہ منزلہ عمارت کی چھت پر موجود دوربین ہاتھوں میں تھامے اپنے ہی ترتیب دیئے ہوئے مظاہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے گرد اس وقت بھی لمبے قد آور مضبوط جسموں والے نیگرو موجود تھے۔ جن کے ہاتھ اپنی جیبوں میں موجود ریوالوروں پر تھے۔

کہنے کو تو پاپ جیلر نے انہیں عمران کے باڈی گارڈز کے طور پر مستقلاً ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا لیکن عمران جانتا تھا کہ اصل میں یہ خود اس کے نگران ہیں۔ وہ ہر وقت سائے کی طرح عمران کے ساتھ لگے رہتے اور اس کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھتے۔

عمران پوری طرح چوکنا تھا۔ لہذا وہ ایسی کسی بھی حرکت کا مرتکب نہیں ہو رہا تھا جو اس کے کردار کو ان لوگوں کی نظروں میں مشکوک بنانے کا سبب ہو سکتی تھی۔

نعرے لگاتے۔ بازو ہلاتے۔ چیختے چلاتے اور گاتے بجاتے ہجوم کا جائزہ لیتے ہوئے عمران کے ماتھے پر مستقل بل پڑے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنا دوربین کے فوکس میں کسی خاص چہرے کو فٹ کرنا چاہتا ہو۔ لیکن وہ خاص چہرہ ابھی تک اس دوربین کے فوکس میں نہیں آیا تھا۔

پھر عمران نے سائرن بجاتی پولیس گاڑیوں کو مظاہرین کے گرد گھیرا ڈالتے ہوئے دیکھا اور صرف چند لمحوں کے بعد اس نے

چمکدار روشنی کے ساتھ ہونے والے دھماکوں کی آواز سنی اور اس آواز کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی انسانی چیخ و پکار نے اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح داخل ہونا شروع کر دیا۔

یہ چیخیں اس مظاہرے میں شریک اس کے ہم وطنوں کی تھیں۔ اور ان پولیس والوں کی جو ان ہینڈ گرنیڈوں کا شکار ہوئے تھے اور ان بیچارے لوگوں کی جو محض تماشائیوں کے طور پر اس وقت چوک میں موجود تھے۔

یہ تمام تر کاروائی عمران کے بنائے ہوئے پروگرام کے عین مطابق ہوئی تھی۔ اسی نے ان تارکین وطن میں موجود زیادہ جوشیلے لوگوں کے ایک گروہ کو علیحدہ کر کے انہیں باپ ٹیلر کے ایما پر زیادہ رقم کا لالچ دے کر دوسرے مظاہرین کی لاعلمی کے ساتھ یہ حرکت کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

ایسا کرتے ہوئے عمران نے اپنی روح میں ایک کربناک اذیت کو واضح طور پر محسوس کر رہا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ ایک اعلیٰ تر مقصد کے لیے اسے کچھ انسانی جانوں کی قربانی کے اس وحشیانہ مرحلے سے ضرور گزرنا ہو گا۔

جوں ہی انسانی چیخیں بلند ہوئیں۔ عمران جھپٹ کر پیچھے ہٹا۔ اور اپنی دور بین دائیں ہاتھ پر کھڑے ہوئے نیگرو کو تھما دی۔ پھر وہ تیزی سے اس بینر کی طرف بڑھا جو ایک طرف تہہ کیا ہوا پڑا

تھا۔ اس نے برق رفتاری سے بینر کو کھولا اور ایک نظر اسے دیکھا۔ یہ تقریباً چار فٹ چوڑا اور بیس فٹ لمبا کپڑے کا ایک بینر تھا۔ جس پر رنگوں کے ذریعے ایک چیتے کی تصویر بنائی گئی تھی۔ اور اس تصویر کے نیچے کسی اجنبی زبان میں تین سطروں میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ یہ ایک ایسی زبان تھی جو دنیا کی کسی بھی قوم یا ملک میں کبھی رائج نہیں رہی تھی۔ ایسی زبان میں لکھی گئی تحریر کو دیکھ کر لکیروں کے ذریعے بنائے گئے بے معنی نقش و نگاری کا احساس ہوتا تھا۔

یہ بینر عمران نے گزشتہ رات تیار کیا تھا۔ چیتے کی ایک بڑی سی تصویر اور اس کے نیچے لکیروں کے ذریعے بنائے گئے نقش و نگار۔ باب ٹیلر نے اس سے اس بینر کے بارے میں پوچھا تھا۔ جس کے جواب میں عمران نے ایک نہایت معقول جواب کے ذریعے اسے مطمئن اور خاموش کر دیا تھا۔

"جس وقت گرینیڈ پھینک دیئے جائیں گے۔ اس وقت میں یہ بینر کھول کر لہرا دوں گا۔ جسے دیکھ کر مظاہرین کو علم ہو جائے گا۔ کہ اب ان کا کام ختم ہو گیا ہے اور وہ اپنی جانیں بچا کر فرار ہو سکتے ہیں۔"

اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا تھا۔

"لیکن مظاہرین کی اکثریت اس بات سے آخری وقت تک بے خبر ہو گی کہ اس بار مظاہرے میں گرینیڈ پھینکنے کا کام بھی کیا جائے

گا۔ پھر تم کس طرح...... !"

"تم نے میری تقریر شاید غور سے نہیں سنی مسٹر باب ٹیلر...... !"

عمران نے رنگ اور برش کے ذریعے چیتے کی شبیہ بناتے ہوئے اُسی سنجیدگی سے کہا تھا۔

"میں نے مظاہرین سے صرف اتنا کہا ہے کہ وہ اپنے احتجاجی عمل میں صرف اس وقت مصروف رہیں جب تک انہیں پیلے رنگ کا یہ بینر لہراتا ہوا نظر نہ آئے جس پر چیتے کی تصویر بنی ہوئی ہو گی۔ جس وقت بینر انہیں دکھائی دے جائے۔ اس وقت تک ان کا کام ختم ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یہاں انہیں ہینڈ گرینیڈوں کے بارے میں بتانے کی کوئی ضرورت بھی نہیں...... !"

"اوہ...... باب ٹیلر نے مسکراتے ہوئے شائد اس کی ذہانت کی داد دی تھی۔ اور اب یہاں عمارت کی چھت پر عمران اپنے اس آخری مرحلے پر عمل کرنے کے لیے تیار تھا۔

اس نے اپنے ایک باڈی گارڈز، ٹیگرد کو اشارہ کیا اور پھر اس بینر کو اس کی مدد سے پکڑ کر چھت کی گگر کے قریب لے گیا۔ کپڑے کا بینر پلاسٹک کی دو چھڑیوں میں پرو دیا ہوا تھا۔ اور گگر پر اسے فکس کرنے کا بندوبست بھی کیا جا چکا تھا۔

اگلے چند لمحوں میں گہرے نیلے رنگ کا ایک بینر عمارت کی چھت پر لہرا رہا تھا۔ جس پر سفید رنگ کے ساتھ جست کے انداز

میں کھلے ہوئے ایک چیتے کی شبیہ تھی اور اس شبیہ کے نیچے سفید لکیروں سے بنا دیئے گئے نقش و نگار۔

لیکن یہ محض نقش و نگار نہیں تھے۔ یہ ایک پیغام تھا جو عمران نے ایک ایسی زبان میں تحریر کیا تھا جس کو پوری دنیا میں محض چند ہی ایک لوگ جانتے تھے۔ عمران بالکل نہیں جانتا تھا کہ اس زبان کو جاننے والے وہ "چند لوگ" ان مظاہرین کے ہجوم میں کہیں موجود بھی ہیں یا نہیں لیکن اس کے باوجود اس نے اپنا پیغام نہایت چالاکی کے ساتھ سرعام سنا دیا تھا شاید وہ جانتا تھا کہ بالآخر یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچ ہی جائے گا جو اس کی زبان جانتے ہیں۔

اس کے علاوہ وہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ تین مسلح باڈی گارڈ ہر گھڑی اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ اور جن کے اصلی کام کے بارے میں عمران اچھی طرح جانتا تھا۔

بینر لہراتے ہی وہ جلدی سے پیچھے ہٹا اور تینوں بیگروز کو اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے چھت کے اس حصے کی طرف بھاگا جدھر سیڑھیاں تھیں، کیونکہ لفٹ پچلے یعنی دس نمبر کے فلور سے شروع ہوتی تھی۔ اور وہ جانتا تھا کہ مظاہرین کے ساتھ اس بینر پہ پولیس والوں کی نظر پڑے گی۔ جو آناً فاناً یہاں پہنچ کر بینر لہرانے والوں کو تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

"لیکن کیا اس بینر پہ ان لوگوں کی نظر بھی پڑے گی جن کے

پہلے اس نے اسے لہرانے کا ڈھونگ رچایا......"

عمران امید اور اندیشے کی ملی جلی کیفیت میں سوچتے ہوئے فلور نمبر دس پر اترنے والی سیڑھیاں پھلانگ رہا تھا۔

اس کے پیچھے دو باڈی گارڈ پوری طرح چوکنا ہاتھ اپنی جیبوں پر رکھے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

پچھلے چار دن سے پوری ٹیم عمران کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ بلیک زیرو، صفدر، جولیا، چوہان، نعمانی اور جوزف شہر بھر میں پھیل گئے تھے اور جہاں جہاں تک پہنچنا ان کے لیے ممکن تھا وہاں وہاں عمران کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔

مارشل آرٹس سنٹر تک تو بلیک زیرو نے عمران کو دو آدمیوں کے نرغے میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا خود عمران نے بھی اسے لفٹ کے ذریعے عمارت کی اس منزل تک اپنے ساتھ آتے ہوئے دیکھا تھا، جہاں یہ سنٹر واقع تھا لیکن اس کے بعد جب بلیک زیرو اپنی پوری ٹیم کے ساتھ واپس سنٹر پہنچا تو وہاں اسے سوائے ایک ہولناک سناٹے کے، اپنے استقبال کے لیے اور کوئی نہیں ملا تھا۔

یہ ایک پریشان کن صورت حال تھی۔ عمران نے اگرچہ بلیک زیرو کو پہلے ہی تمام حالات کی بریفنگ کر دی تھی لیکن اس کے باوجود واقعات میں جو اچانک اور غیر متوقع تبدیلیاں ہو رہی تھیں ان کے پیش نظر بلیک زیرو شدید پریشان تھا۔ کیونکہ عمران نے اسے

ہدایت کر دی تھی کہ وہ سی آئی اے کے کسی بھی آدمی سے ملاقات نہیں کرے گا۔

اس لیے بلیک زیرو اور سیکرٹ سروس کے باقی کارکنان عام آدمیوں کی طرح براعظم امریکہ کے اس شہر میں آئے تھے اور ان کی یہاں موجودگی کا سبب پوشیدہ طور پہ عمران کو اسسٹ کرنا تھا۔ لیکن اب جبکہ عمران ہی غائب تھا وہ کس کو اسسٹ کرتے۔

بلاآخر بلیک زیرو نے ٹرانسیٹر کے ذریعے ایکس ٹو کے ذریعے تمام کارکنان کو حکم دیا تھا کہ وہ شہر کے مختلف حصوں میں پھیل جائیں اور عمران کا پتہ لگانے کی کوشش کریں۔ یہ حکم اندھیرے میں تیر چلانے کے برابر تھا کیونکہ یہ پاکیشیا نہیں تھا۔ جہاں انہیں ہر طرح کا حکومتی اور قانونی تحفظ موجود ہوتا۔ انہیں جو کچھ بھی کرنا تھا ذاتی طور پہ کرنا تھا۔ اور ان کی ذمہ داری بھی خود انہی پر عائد ہوتی تھی۔

علاوہ ازیں ان کے وسائل بھی حد درجہ محدود تھے۔ ایسے میں عمران کا تلاش کرنا بھوسے میں سوئی تلاش کرنا ہی تھا۔ لیکن اس کے باوجود تمام کارکنان بہت زور و شور کے ساتھ عمران کی تلاش میں مصروف ہوگئے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس اجنبی ملک میں عمران ہی ایسا شخص ہے جو سیکرٹ سروس کے اس آپریشن کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے جس کے لیے ان سب کو اپنے ملک سے چل کر یہاں تک آنا پڑا تھا۔

ایکس ٹو کی حیثیت میں ان کو ہدایات جاری کرنے کے بعد

بلیک زیرو، عمران کے پرانے دوست طاہر کی حیثیت سے دوبارہ ان کے ساتھ آملا تھا اور اپنے آپ کو اعزازی طور پر عمران کی تلاش کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے شہر کے ایک مخصوص حصے کو اپنے لیے منتخب کر لیا تھا۔

باقی سب لوگوں کے علاقے پہلے ہی طے ہو چکے تھے اور اب وہ پچھلے چار روز سے عمران کی بُو سونگھتے پھر رہے تھے۔ ان چار دنوں میں انہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

اور آج پانچواں روز تھا اور صفدر شہر کے وسطی علاقے میں ایک، ایک آوارہ گرد آدمی کی طرح سڑ گشت کرتے ہوئے عقابی نظروں سے دائیں بائیں گزرتے لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ باقی تمام کارکنان کی طرح اسے بھی ایکس ٹو نے ان دو آدمیوں کا حلیہ ذہن نشین کرا دیا تھا جو عمران کو لے کر مارشل آرٹس سنٹر میں گئے تھے۔ وہ اپنے پاس سے گزرنے والے ہر شخص میں ان لوگوں کا حلیہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتا لیکن اسے قطعی طور پر کامیابی نہ ہو رہی تھی۔

دن کے گیارہ بجے تھے اور وہ سخت بیزاری لیکن تندہی کے ساتھ اپنے کام میں مصروف تھا۔ سیکرٹ سروس کا کارکن ہونے کے علاوہ وہ عمران کو ذاتی طور پر بھی بہت پسند کرتا تھا۔ اس کی گمشدگی نے باقی کارکنان کی طرح صفدر کو بھی سخت جذباتی پریشانی سے دوچار کر رکھا تھا۔

چلتے چلتے وہ اچانک رک گیا۔ اس کی نظر شہر کے معروف ترین چوک کے مغربی کونے میں ایک خوب صورت دروازے والے ریسٹورنٹ پر پڑی اور اس کا جی ایک کپ کافی پینے کو بے اختیار چاہا۔ ویسے بھی وہ مختلف شاپنگ پلازوں، تجارتی اداروں اور ہوٹلوں میں داخل ہو کر عمران کی سن گن لیتا رہتا تھا۔

وہ ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا۔ شیشے کے خوب صورت دروازے سے گزر کر وہ اس چھوٹے سے آرام دہ اور پر سکون ریسٹوران میں داخل ہو گیا۔ اور دروازے کے قریب ہی ایک میز کا انتخاب کر کے اس پر بیٹھ گیا۔ یہ میز ریسٹوران کی بیرونی دیوار کے بالکل نزدیک تھی۔ شیشے کی اس دیوار کے اس پار باہر کا منظر کسی خاموش فلم کی طرح اس کے سامنے متحرک تھا۔

محض چند لمحے پہلے وہ جس پر شور ہجوم میں گھرا ہوا تھا۔ اب وہ اسے علیحدگی کے ساتھ بیٹھ کر کسی فلمی منظر کی طرح ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ سکتا تھا۔ اس کے کان ہجوم کے شور سے محفوظ تھے۔ اس کیفیت میں اسے چند منٹ کیلئے اپنے ذہن کو پر سکون کرنے کا موقع مل رہا تھا۔

اس نے ایک دراز قد اور نو عمر سمارٹ ویٹرس کو کافی کا آرڈر پلیس کیا اور ایک بار پھر شیشے کی دیوار کے اس پار حرکت کرتے بے آواز ہجوم کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

صرف دو منٹ کے وقفہ کے بعد ویٹرس نے کافی کے برتن اس کی میز پر سجا دیئے۔ برتن میز پر رکھتے ہوئے ویٹرس کے ہونٹوں پر ایک جاندار اور واضح مسکراہٹ تھی۔ عام طور پر یہ بہت کاروباری مسکراہٹ ہوتی ہے۔ سیلز گرلز اور ہوٹلوں میں سروس کرنے والی عورتوں کو اپنی پیشہ وارانہ مجبوری کے تحت یہ مسکراہٹ مستقل طور پر اپنے ہونٹوں پر سجانا پڑتی ہے ہے۔ چاہے اس کے لیے ان کا دل قطعی نہ چاہتا ہو۔

صفدر نے برتن رکھنے کی آواز پر چونک کر سر اٹھا کر ویٹرس کو دیکھا اور محسوس کیا کہ لڑکی کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ محض پیشہ وارانہ مجبوری کے تحت نہیں ہے۔ صفدر ایک نوجوان اور سمارٹ آدمی تھا۔ اس کے کردار میں ایک ایسی گریس فل سنجیدگی تھی جو عام طور پر دوسروں کو متاثر ہو جانے پر مجبور کرتی تھی۔

"آپ کافی کے ساتھ کچھ اور لینا پسند کریں گے جناب۔۔۔۔!"

لڑکی نے بہت اپنائیت سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"اوہ نو تھینک یو۔۔۔۔۔۔!"

صفدر نے ملائم اور مدبر لہجے میں کہا۔ یہ مختصر جملہ ادا کرتے ہوئے اس نے لڑکی کی مسکراہٹ کے جواب میں اپنے ہونٹوں کو مسکراہٹ کے انداز میں خم دینا مناسب خیال کیا تھا۔

"آل رائٹ سر!"

لڑکی نے اپنی مسکراہٹ کو زیادہ تیز کرتے ہوئے الوداعی نظروں سے صفدر کو دیکھا اور واپس ہٹ گئی۔ صفدر نے سر کو ہلکا سا خم دے کر اسے رخصتی انداز میں جواب دیا اور کافی بنانے کے لیے برتنوں کی طرف رجوع کیا۔ کافی بنانے کے دوران اس کی نظریں برتنوں پر ہی مرکوز رہی تھیں۔ لیکن جوں ہی کپ اٹھا کر اس نے خوشبودار اور جھاگ سے بھری ہوئی کافی کا گھونٹ پینا چاہا، محض اتفاقاً اس کی نظر شیشے کی دیوار کے اس پار حرکت کرتے ہوئے ہجوم پر پڑی وہ بری طرح چونکا۔

ابھی صرف چند لمحے پہلے اس نے اسی ہجوم کو جس انداز میں چیختے اور سکڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس جگہ اب ایک بالکل ہی مختلف اور حیران کن منظر نے لے لی تھی۔

اب اس کے سامنے جو ہجوم تھا وہ راہگیروں اور خریداروں کا نہیں تھا بلکہ تیز چمک دار اور عجیب و غریب وضع قطع کے لباسوں میں ملبوس ایسے لوگوں کا ہجوم تھا جو اپنے ہاتھوں میں کارڈ اور بینر اٹھائے ہوئے تھے۔ اور ان پر جو عبارتیں درج تھیں ان کا تعلق خود صفدر کے ملک پاکیشیا سے تھا۔ ان پر پاکیشیا اور اس کی موجودہ حکومت کے خلاف ایسے ذومعنی نعرے درج تھے۔ جنہیں پڑھ کر یا تو ان مظاہرین کی حماقت پر ہنسا جا سکتا تھا یا ان کی بے وقوفی پر رویا جا سکتا تھا۔

صفدر نے گھونٹ بھرے بغیر کپ واپس میز پر رکھ دیا اور تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے جیب سے پرس نکال کر اس میں سے ایک بڑا سا نوٹ کھینچا۔ اس نوٹ میں کافی کے کئی کپ پیئے جا سکتے تھے۔ لیکن اس وقت صفدر وہاں رک کر باقاعدہ بل منگوانے اور ادا کرنے میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کافی کا ایک بھی گھونٹ پیئے بغیر وہ نوٹ صفدر نے کپ کے نیچے دبایا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ریسٹوران سے باہر نکل گیا۔ ریسٹوران کا بیرونی دروازہ کھولتے ہی اس کے کانوں میں عجیب وغریب نعروں کا شور گھس گیا تھا۔ وہ فٹ پاتھ سے گزر کر تیزی سے چوک کے اس حصے کی طرف سے بڑھا جہاں ان احتجاجی مظاہرین کا ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا۔

چوک کی مختلف سڑکوں سے یہ مظاہرین جوق در جوق بڑھے چلے آ رہے تھے اور یہ سب صفدر کے ہم وطن ہی تھے۔ صفدر کے ہم وطن جو خود اپنے وطن کے خلاف مظاہرہ کرتے ہیں اندھے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

صفدر نے تکلیف، افسوس اور بے بسی کے ساتھ اپنے ان ہم وطنوں کو دیکھا جو جانے بوجھے بغیر ہی سینے پھلا پھلا کر نعرے لگا رہے تھے۔ وہ ایک خاموش تماشائی کی طرح ان کے درمیان کھڑا ہوا انہیں دیکھ رہا تھا۔

وہ کبھی نعرے لگاتے کبھی زور زور سے قہقہے لگانا شروع کر دیتے۔ اور کبھی ڈھول اور دف اور گٹار بجا بجا کر عجیب آہنگ آوازوں میں لہلے سیدھے گیت گانا شروع کر دیتے۔

انہیں یہ سب کرتے دیکھ کر صفدر کو سرکس کے جوکروں کا خیال آیا۔ اور ان بندروں کا جن کی ناکوں میں پروئی ہوئی رسیاں بندر والوں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں اور وہ اس کے جھٹکوں پہ سدھائی ہوئی سرکس کرتے۔ الٹی سیدھی چھلانگیں لگاتے اور تماشائیوں کو قہقہے لگانے پر مجبور کر دیتے۔

لیکن صفدر ان مظاہرین کے گرد کھڑے مقامی تماشائیوں کی طرح قہقہے نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ اپنے تارکین وطن، ہم وطنوں کی ان احمقانہ حرکتوں پہ ہنس نہیں سکتا تھا۔ وہ انہیں سرکس کے جوکر اور بندر نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ صرف افسوس کر سکتا تھا۔ اور خاموش رہ سکتا تھا اور بس......

اچانک پولیس گاڑیوں کے سائرن کی آواز میں ان مظاہرین کی آواز دب گئی۔ ان گنت پولیس والے ان گاڑیوں سے اتر کر مظاہرین کے گرد پھیل گئے۔ ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے اور آنسو گیس پھینکنے کے آلات لیکن اس سے پہلے کہ پولیس ان مظاہرین کو وارننگ دے کر منتشر ہو جانے کی ہدایت کرتی۔ اچانک ہی صفدر سے کچھ فاصلے پر مظاہرین کا

ایک گروہ پولیس والوں کی طرف تیزی سے بڑھا اور صرف دو دو قدم مختلف سمتوں میں آگے بڑھ کر اس گروہ کے آدمیوں نے بم شل پولیس والوں کی طرف پھینک دیئے۔

کانوں کے پردے پھاڑ دینے والے دھماکوں کے فوراً ہی بعد ان شیلوں سے گھائل ہونے والوں کی چیخیں بلند ہوئیں تھیں۔ صفدر نے صرف ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کرکے اپنے دل میں پیدا ہونے والی انتہائی رنج کی کیفیت کو محسوس کیا۔ اور اسکے فوراً بعد وہ تیزی سے مظاہرین کے ہجوم کو چیرتا ہوا باہر کی طرف نکلا۔ دھماکوں کی آواز سے وہ پہچان گیا تھا کہ یہ ہینڈ گرینیڈ تھے۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان دھماکوں کے بعد مقامی پولیس کا رویہ اسلحے سے لیس ان تارکین وطن کے ساتھ کیا ہوگا۔ وہ اس وقت کسی بھی جھگڑے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حالات پہلے ہی بہت خراب اور ناموافق جارہے ہیں۔

دھماکوں کے ہوتے ہی چیخوں اور آہ و پکار کے ساتھ جو بھگدڑ مچ گئی تھی اس نے صفدر کے لیے اس ہجوم سے باہر نکلنے کا کام بہت مشکل کر دیا تھا لیکن وہ اس انتہائی غیر منظم اور غیر مہذب ہجوم کے درمیان راستہ بناتا ہوا نکلنے کی کوشش میں مصروف تھا کہ چیخوں کے درمیان اسے بلند آوازوں کا شور

سنائی دیا۔

"وہ جھنڈا..... جھنڈا...... وہ چیتے والا جھنڈا..... ہا"

مظاہرہ کرنے والوں میں ایک دم یہ آواز اجتماعی طور پر گونجی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں خطرے میں اچانک حفاظت کا کوئی اشارہ مل گیا ہو۔ اور یہ حقیقت تھی۔ دراصل یہ جھنڈا طے شدہ پروگرام کے مطابق اسی بات کی علامت تھی کہ ان کا کام ختم ہو گیا ہے اور اب وہ اپنی جان بچا کر بھاگنے کے لیے "پارٹی" کی طرف سے آزاد ہیں۔

لیکن مقدر کے لیے یہ آواز ایسا کوئی مطلب نہیں رکھتی تھی جوں ہی اس نے یہ جملہ سنا وہ بڑی طرح چونکا اور باڑوں کی اوٹ میں پیچھے کی طرف جھکا کر چھپایا ہوا سر اٹھا اور لمحہ بھر کے لیے اس نے اپنے آپ کو انتہائی حیرانی کے عالم میں کسی مجسمے کی طرح زمین پر ساکت اور جما ہوا محسوس کیا۔

واقعی وہ چیتے والا جھنڈا تھا۔

چیتے والا جھنڈا جو پاکیشیا کی سیکرٹ سروس کا ایک خفیہ علامتی نشان تھا۔ اس نشان کے بارے میں صرف وہ لوگ جانتے تھے جو عملی طور پر سیکرٹ سروس کے کارکن تھے۔ کارکنوں کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس علامت سے واقف نہیں تھا۔ اس علامت کے استعمال کا ایک خاص انداز تھا۔

بینر یا جھنڈے کی شکل میں کہیں پر یہ علامتی نشان دیکھ کر سیکرٹ سروس کے کارکن سمجھتے تھے کہ ان کا کوئی ساتھی ایسے حالات کا شکار ہے کہ آزادی کے ساتھ ان سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کا مطلب محض یہی نہیں تھا۔

اس مخصوص انداز میں شکار پر جست کرنے کے انداز میں زمین پر جھکے ہوئے چیتے کے ہمراہ عام طور پر کوئی دوسرا پیغام بھی ہوتا تھا اس پیغام کی زبان بھی محض سیکرٹ سروس کے کارکنان کے علم میں تھی کیونکہ یہ سیکریٹ سروس کی اپنی اختراع کردہ رسم الخط میں تحریر کی جاتی تھی۔

بھاگتے ہوئے لوگوں کا ایک ہجوم سفدر سے ٹکرایا اور وہ چونکا۔ انسانی چیخوں اور شور و غل کے علاوہ اس نے فضا میں ریوالور چلنے کی آوازیں بھی سُن لی تھی۔ ظاہر ہے یہ ریوالور مقامی پولیس والے ہی چلا رہے ہوں گے۔

لیکن پھر اپنے ارد گرد ہونے والے اس ہنگامے کو محض چند ہی ایک لمحوں کے لیے محسوس کیا اور اس کے فوراً بعد اس کی مکمل توجہ نیلے رنگ کی بیک گراؤنڈ میں سفید لکیروں سے بنے ہوئے چیتے اور اس کے نیچے درج پیغام کی طرف مبذول ہو چکی تھی۔

بینر ایک بلند عمارت پر نصب تھا۔ اور یہاں نیچے سے

عام طور پر مختصر پیغام یا تحریر ہی دیکھی جا سکتی تھی۔ اس کے ذہن میں
گونجتا پیغام روانی سے جاری تھا۔ واضح نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس
پیغام کو حاصل کرنے کے لیے صفدر کو اوپر جانا تھا۔ اور یہ ایک خطرناک
اور نہایت اہم کام تھا۔ صفدر جان چکا تھا کہ یہ چیف عمران کا پیغام
ہے۔ اس آدمی کا پیغام جس کی تلاش میں وہ اور اس کے باقی تمام
ساتھی چار دن سے مارے مارے پورے شہر میں پھر رہے تھے۔ اس
نے اپنے جسم کی تمام تر قوت کو جمع کر کے راستہ بنانے کے لیے اس
طرح ہاتھ پاؤں چلانا شروع کر دیئے جیسے کبھی کبھار بستر پر
گہری نیند کے دوران خواب میں کوئی ٹانگیں چلاتا ہے۔ اس کے بعد
صفدر نہیں تھا کہ وہ کب اس ہجوم سے باہر نکل آیا۔

اس کے لباس کی حالت انتہائی خراب ہو چکی تھی۔ اس کے
بال بری طرح بکھر چکے تھے لیکن وہ ان سب سے بے نیاز اندھا
دھند اس عمارت کی طرف بھاگ اٹھا جس کی آخری منزل پر وہ
پیغام اس نے دیکھا تھا۔ اب اس کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔
پولیس والے ہوائی فائر کر رہے تھے۔ اگرچہ چند غنڈوں نے انہیں
شدید جسمانی نقصان پہنچایا تھا۔ لیکن انہوں نے ہوائی فائروں کے
ذریعے اس احتجاجی جلوس کو صرف منتشر کرنا ہی کافی سمجھا تھا اور
وہ بھاگنے والوں کے راستے میں آ کر انہیں روکنے کی کوشش نہیں
کر رہے تھے۔

عمارت کے مین گیٹ سے وہ اندر داخل ہوا اور تلاش سے بھری ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ ایک کونے میں اسے لفٹ دکھائی دے گئی۔ لپک کر وہ اس کے نزدیک پہنچا اور بٹن پش کیا لیکن بٹن نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ لفٹ بند ہے۔

"لیکن کیوں......!"

صفدر نے شدید پریشانی سے اس لمحے میں سوچا۔

"آخر اس عمارت کی لفٹ کیوں بند ہے۔ کیا یہ خراب ہے... لیکن اتنی بلند عمارت کی لفٹ کو خراب کیسے رکھا جا سکتا ہے..... تو پھر......!"

لفٹ بند ہونے کے باعث اس کے ذہن میں دھماکوں کے ساتھ کئی خیالات آ آ کر غائب ہو رہے تھے۔ وہ اتنی مہلت میں تھا کہ ان سوالیہ خیالات کے جواب تلاش کرنے کی بجائے اس نے لفٹ کی بجائے اوپر پہنچنے کے لیے کسی متبادل صورت کے بارے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں پھر وہ پھرتی سے اس طرف لپکا جہاں سیڑھیاں دکھائی دی تھیں۔ لفٹ اسے محض سیکنڈوں کے وقت میں اوپر پہنچا سکتی تھی لیکن وہ کام نہیں کر رہی تھی۔ ظاہر ہے اب اس کے لیے سیڑھیاں ہی متبادل راستہ ہو سکتی تھیں۔ ایک بعد دوسری پھر تیسری ..... پھر چوتھی پھر پانچویں ایک

کے بعد ایک صفدر اس گیارہ منزلہ عمارت کی سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے بری طرح پسینے میں ڈوب گیا تھا۔ جوں جوں وہ اوپر کی طرف بڑھتا جاتا تھا اس کے دل میں آخری منزل تک پہنچنے کی لگن اور تیز ہو جاتی لیکن ہر اگلی منزل کی سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اس کی رفتار بتدریج آہستہ ہوتی جا رہی تھی۔ اور اب وہ اوپر کی طرف بڑھنے کے لیے جسم کی قوت کے علاوہ اپنی ارادے کی قوت سے بھی کام لے رہا تھا۔ لیکن ساتویں منزل پر پہنچ کر اس نے آٹھویں منزل کی طرف بڑھنے والی سیڑھیوں کی طرف قدم اٹھایا ہی تھا کہ اسے ٹھٹھک کر رک جانا پڑا۔ محض چند سیڑھیاں اوپر کچھ لوگ تیزی سے نیچے اترتے چلے آرہے تھے۔ وہ تعداد میں چار تھے اور ان میں سے تین افریقی نژاد کالے تھے۔ ان تینوں کے درمیان نیچے اترنے والا چوتھا آدمی صفدر کو اپنا کوئی ہم وطن ہی محسوس ہوا۔ اور جیسے ہی وہ بالکل اس کے سامنے آئے صفدر کے ذہن میں بجلی کی طرح کوئی پرانا واقعہ لپکا اور اس نے اپنے منہ میں ایک شدید بدذائقہ سی کڑواہٹ محسوس کی۔

اس چوتھے آدمی کی ہسٹری کے بارے میں وہ اچھی طرح باخبر تھا۔ یہ اپنے ملک پاکیشیا میں ایک سازش کی ناکامی پر فرار ہو کر یہاں آیا تھا اور اس کی معلومات کے مطابق اس کے وطن کے خلاف تارکین وطن کے احتجاجی مظاہرے کروانے میں وہ نمایاں ترین آدمی تھا۔

صفدر اس کا نام بھی جانتا تھا ـــــــ عابد علی

"وہ ہے...... ہجو آرلی..... !"

صفدر کو دیکھتے ہی ان چاروں میں سے ایک نیگرو نے لپک کر جیب سے اپنا ریوالور نکال کر صفدر پر تان لیا تھا۔

"ہول ہول..... جانے دو اسے .... اپنا ہی کوئی احمق بھائی معلوم ہوتا ہے!"

صفدر کے اس ہم وطن عابد علی نے نیگرو کے ریوالور پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرم سے آواز میں کہا تھا۔ پھر اس نے صفدر کی طرف کر ہاتھ اوپر کی طرف لہرایا تھا۔

"جاؤ جاؤ میاں جاؤ اوپر چھپ جاؤ...... !"

یہ آخری جملہ اردو کہا گیا تھا۔ صفدر پر حیرت کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا

عابد علی کے روپ میں یہ آواز تو عمران کی تھی۔

"تو کیا یہ واقعی عمران صاحب ہیں..... !"

صفدر نے اس لمحے میں گم سُم عالم میں سوچا اور اس سے کہ وہ اپنی حیرانی کے پہاڑ کے نیچے سے خود کو نکال کر عمران مخاطب کرتا۔ وہ تینوں نیگروں کو اشارہ کرتے ہوئے تیز اس کے قریب سے گزر گیا تھا۔

صفدر نے پلٹ کر اسے نچلی منزل کی سیڑھیاں اترتے

اٹھا اور آواز دینے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر جیسے غیب کی کسی ذات نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔

عمران صفدر سے مکمل لاتعلقی کے ساتھ گزرتا چلا جا رہا تھا ایسے جیسے وہ اسے بے شمار احتجاجی مظاہرین میں سے ایک آدمی ہونے کے علاوہ اور کسی بھی حوالے سے نہ جانتا ہو۔

صفدر ایک سرد جذبے کے ساتھ عمران کو اس کے غائب ہونے تک خاموشی کے ساتھ دیکھتا رہا تھا۔ اسے عمران کی لاتعلقی بوجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

عمران کے نچلی سیڑھیوں میں غائب ہوتے ہی صفدر نے ایک بار پھر اوپر کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ سیکرٹ سروس کا نہایت ذہین کارکن تھا۔ اور اکثر مہموں میں عمران کے ساتھ ہونے کے باعث اسے عمران کی مزاج شناسی کا بھی دعویٰ تھا۔ اور یہ دعویٰ کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔

عمران کی لاتعلقی نے اسے سمجھا دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے یعنی وہی کام جس کے لیے وہ نیچے سے اوپر اندھا دھند بھاگتا چلا آیا تھا۔

جس وقت وہ عمارت کی چھت پر پہنچا۔ اس کا سانس دھکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اپنے جسم کو کسی بھاری بوجھ کی طرح اُٹھاتے ہوئے وہ من من کے قدم اٹھاتا ہوا۔ پیپر کے نزدیک پہنچا اور اسے کھینچ کر چھت کی لگر پر ٹھکے ہوئے فلسروں میں سے نکال لیا۔ پھر اسے چھت ہی کے فرش پر ڈال کر اس طرح اس پیغام کو پڑھنے میں بے تابی کے ساتھ مصروف

ہو گیا تھا جیسے صحرا میں کسی پیاسے کو اچانک ٹھنڈے پانی کا چشمہ مل جائے اور وہ جبلت کی تمام وحشت کے ساتھ پانی پر جھک پڑے۔

"یہ مظاہرہ میں نے ترتیب دیا ہے۔ یہ کام میں نے ان لوگوں کے کہنے پر کیا۔ جو اس وقت مجھے اپنے قابو میں کیے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں میں سے ایک کا نام باب ٹیلر ہے۔ یہ اسی ملک کی وزارتِ داخلہ کا ایک افسر ہے۔ اس کے بارے میں مکمل رپورٹ حاصل کرو۔ اور سی آئی اے کی ڈپلومیٹک ایجنٹ صوفیہ کو اغوا کر کے جولیا کو اس کے میک اپ میں چھوڑ دو۔ صوفیہ۔ سی آئی اے ہیڈ کوارٹر آفس نمبر ۲۰۹ خبردار۔ خبردار احتیاط سے مکمل ابتدائی معلومات کے ساتھ۔ میری فکر مت کرو۔ خدا حافظ۔

عمران"

صرف تیس سطروں میں کھینچی گئی لکیروں میں عمران نے اتنا لمبا پیغام دیا تھا۔ یہ شارٹ ہینڈ کے طرز پر تیار کی گئی زبان تھی۔

پیغام ختم کر کے صفدر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک طویل سانس لے کر اپنی تھکن کو باہر نکال پھینکنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے فوراً ہی بعد اس کے ہونٹوں پر ایک جاندار مسکراہٹ کھِل گئی تھی۔

"زندہ باد عمران صاحب!"

اس نے بلند آواز سے پر مسرت آواز میں کہا۔
"اس کا مطلب ہے کہ آپ بڑے کے پیچھے پیچھے اس کے گھر تک پہنچ چکے ہیں..... !"

اس نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر مسرور نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا اور محسوس کیا کہ وہ بالکل تازہ دم ہے۔ اور کامیابی کا زینہ اسکا منتظر ہے۔

ہوٹل پہنچ کر ٹرانسمیٹر پر ایکس۔ ٹو سے رابطہ قائم کرنے کے خیال میں آہستہ آہستہ وہ نیچے کی طرف جانے والی سیڑھیوں کی طرف چل پڑا۔ یہ وہی سیڑھیاں تھیں جو کچھ ہی دیر پہلے اسے نیچے سے اوپر کی طرف لائی تھیں۔ اتنا اوپر کہ اب اسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں تھی کہ نیچے سڑک پر کس قیامت کی آپا دھاپی مچی ہوئی ہے۔

اس نے بغیر کسی عجلت کے زینے پر پاؤں رکھا اور اطمینان سے اترتا چلا گیا۔

ایک وسیع اور شاندار ہال میں دھیمی اور اونچی آوازوں کا
ملا جلا پر مسرت شور برپا تھا۔ قیمتی ضیافتی لباسوں میں ملبوس
مقامی لوگ اور جدید ترین مقامی فیشنوں کی پوشاکیں پہنے ہوئے عورتیں،
ان میں سے اکثر کے ہاتھوں میں مختلف رنگوں کی شراب کے
جام تھے۔ اور وہ دو دو چار یا ان سے بھی زیادہ کی تعداد میں
مختلف ٹکریوں میں بیٹھے ہوئے باہمی دلچسپی کے موضوعات پر
گفتگو کر رہے تھے۔ ان ٹکریوں میں اکثر ایک ہی خاص موضوع پر
گفتگو ہو رہی تھی۔ اور وہ موضوع تھا سیاست۔
یہ تقریب براعظم امریکہ کے اسی ملک کے ایک معروف شخصیت
کی ایما پر منعقد کی گئی تھی۔ اور وہ ہی اس تقریب کی مرکزی
شخصیت تھی۔ یہ شخصیت سیاست سے تعلق رکھتی تھی۔
"مسٹر جارج ایڈی ......" "وار فرنٹ پارٹی" کے سربراہ
مسٹر جارج ایڈی، جو آئندہ تین ماہ کے بعد ہونے والے ملکی
صدارت کے انتخابات میں ایک امیدوار کے طور پر مقبول ترین

اُور، سمجھے جاتے تھے۔

ان کی مقبولیت کا بڑا سبب یہ تھا کہ وہ ساٹھ سال کی عمر رکھنے کے باوجود نوعمر لڑکوں کی طرح پر شیلے اور جذباتی تھے۔

ان کی سیاسی جماعت کا نام بھی ان کی طبیعت اور مزاج ہی کی طرح سخت جذباتی تھا۔ اور صرف یہ ہی نہیں۔ ان کی "وار فرنٹ پارٹی" کے نظریات بھی ایسے ہی تھے۔

مسٹر ایڈی اور ان کی پارٹی ملک میں غیر ملکیوں کے آباد ہونے کے سخت خلاف تھی۔ ان کے مطابق ہجرت کر کے آئے ہوئے دنیا کے مختلف خطوں اور ملکوں سے تعلق رکھنے والے ان تمام لوگوں کو ان کے علاقوں میں واپس بھیج دینا چاہیئے اور اسی سلسلے میں قانونی تبدیلیوں کے علاوہ جبری طریقوں سے بھی کام لینے سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔

"وار فرنٹ پارٹی" کی بہت سی لڑائیوں میں سے سب سے بڑی لڑائی ان ہی تارکین وطن کے خلاف تھی۔ ان تارکین وطن کے اپنے ملک میں آباد ہونے کے مسئلے پر یہ پارٹی ان ملکوں کو ذمہ دار اور قصور وار سمجھتی تھی جہاں جہاں سے یہ لوگ یہاں آئے تھے۔

مسٹر ایڈی کا سب سے بڑا انتخابی نعرہ "غیر ملکی واپس جاؤ" تھا۔ اور مقامی لوگوں میں یہ نعرہ بہت مقبول ہو رہا تھا کیونکہ مقامی لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان غیر ملکیوں کے وہاں آباد ہوتے

سے خود ان کے لیے روز گار کے وسائل محدود ہوتے جا رہے ہیں۔
یہ ایک خالص معاشی نعرہ تھا۔ اس کی اخلاقی اور انسانی خامیوں کی طرف وہاں کے لوگوں نے توجہ دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اخباروں میں ان دنوں جو انتخابی تجزیے شائع ہو رہے تھے ان کے مطابق کامیابی کا پلڑا "وار فرنٹ پارٹی" کے حق میں جھکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

اس وقت تقریب بھی اس انتخابی مہم کے سلسلے میں منعقد کی گئی تھی۔ اگرچہ اس تقریب کا پس منظر ثقافتی تھا لیکن اس سے بھی اپنی سیاسی مقبولیت کے اظہار کا فائدہ حاصل کرنا مقصود تھا۔ مسٹر ایڈی کو ان کے سرگرم کارکنان کے علاوہ بعض ایسے لوگوں نے بھی گھیر رکھا تھا جو اس ملک کی معیشت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان میں کچھ عالمی سطح پر شہرت رکھنے والے صحافی، صنعت کار اور سیاست دان بھی موجود تھے۔ جو "وار فرنٹ پارٹی" اور مسٹر جارج ایڈی کے لیے اپنی وفاداریوں کے اظہار کے لئے یہاں موجود تھے۔ مسٹر ایڈی خاص سیاستدانوں والی مسکراہٹ کے ساتھ ایک پر اسرار وقار کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے گفتگو کر رہے تھے۔

عمران یہ منظر ہال کے ایک کونے میں کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا۔ وہ اس تقریب میں باب ٹیلر کے ذریعے مدعو کیا گیا تھا۔ اس کے مدعو کیے جانے کا بنیادی سبب آج کے احتجاجی مظاہرے کے وہ نتائج تھے جس سے باب ٹیلر کے مطابق گزشتہ تمام مظاہروں کی نسبت

زیادہ فائدہ پہنچا تھا۔ ظاہر ہے یہ فائدہ وارفرنٹ پارٹی ہی کو پہنچا تھا۔ اور یہ بھی ظاہر تھا کہ باب ٹیلر جس پارٹی کا نام لیئے بغیر اس کا ذکر کرتا تھا وہ یہ ہی مسٹر ایڈی کی سیاسی جماعت تھی۔ اور عمران کو مظاہرے کے کامیاب منتظم کی حیثیت سے مسٹر ایڈی سے ملایا جانا ضروری خیال کیا گیا تھا۔

اس تقریب میں ایک مہمان کی حیثیت سے مدعو ہونے کے باوجود عمران کو ان تین میگرو۔پہرہ داروں سے برابر واسطہ پڑ رہا تھا۔ جن کی ڈیوٹی اس پہ لگائی گئی تھی۔ وہ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے نہایت محتاط انداز میں کھڑے ہوئے تھے۔ عمران کو معلوم تھا کہ اس وقت یہاں تقریب میں اس پہ نظر رکھنے والے صرف یہ افراد ہی نہیں ہیں۔ اور بھی بہت سے ہیں جو پوشیدہ طور پر اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔

اچانک عمران کو باب ٹیلر اپنی طرف لپکتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ عمران کے ساتھ اپنے اصلی رویئے کے برعکس نہایت بے تکلفی کا برتاؤ کرتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ پھیلائے ہوئے بڑھ رہا تھا۔

”ویل کم آن مسٹر عمران!“

وہ اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

”مسٹر ایڈی تم سے ملنا چاہتے ہیں......“

پھر وہ عمران کے بالکل نزدیک آگیا۔ اس کی آواز مدھم ہوگئی ایسے جیسے وہ کوئی سرگوشی کر رہا ہو۔

"میں نے آج صبح کے مظاہرے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے اور ان کی پارٹی سے بے تمہاری خدمات کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ وہ تمہیں ملنا چاہتے ہیں۔ کم آن...... !"

وہ بے تکلفی سے عمران کی کمر پر ہاتھ ڈال کر اسے اپنے ساتھ چپٹائے ہوئے اس سمت بڑھا جدھر مسٹر ایڈی لوگوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے کھڑے تھے۔

"جس از مسٹر عمران ---- مسٹر ایڈی !"

باب ٹیلر نے عمران کا تعارف ان سے اس طرح کروایا تھا جیسے کوئی مداری اپنا تماشہ دکھا کر داد کے انداز میں حاضرین کو مخاطب کرتا ہے۔

مسٹر ایڈی نے مسکرا کر عمران کی طرف دیکھا۔ اسی ایک لمحے میں عمران اور مسٹر ایڈی کی آنکھیں چار ہوئیں اور عمران نے جان لیا کہ ان مسکراتی ہوئی آنکھوں کے پیچھے ایک وحشیانہ حد تک کرخت اور کھردرا مزاج رکھنے والے شخص کا چہرہ ہے۔ ایک ایسے شخص کا چہرہ جو اپنی غرض پوری کرنے کے لیے نیکی اور بدی، سچ اور جھوٹ کی ہر سرحد عبور کر جانے کو جائز سمجھتا ہے۔

"تم شاندار قائدانہ صلاحیتوں کے مالک ہو مسٹر ام..... ران...... " مسٹر ایڈی نے عمران کے کندھے پر ہاتھ

رکھ کر بھاری آواز میں کہا۔ پھر وہ اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر بے تکلفی سے اپنے ساتھ لپٹائے ہوئے اس ہجوم سے ہٹ گئے تھے، ہجوم میں شامل چند ایک لوگوں نے مسٹر ایڈی کے پیچھے آنے کی کوشش کی تھی لیکن باب ٹیلر نے نہایت مہذب طریقے سے ان پر واضح کیا تھا کہ مسٹر ایڈی چند منٹ کے لیے اس ایشیائی نوجوان سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتے ہیں۔ جو اپنے ملک کی طرف سے ان کے لیے کامیابی اور خیر سگالی کے نیک جذبات لے کر آیا ہے۔ وہ مسٹر ایڈی کو آئندہ انتخابات میں اپنے ملک کی اخلاقی حمایت کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہے ......!"

لوگوں کو اپنی مکاری اور چالاکی سے مطمئن کرنے کے بعد باب ٹیلر مسٹر ایڈی اور عمران کی طرف لپکا تھا جو آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہجوم سے ہٹتے چلے جا رہے تھے

"میں معذرت چاہتا ہوں مسٹر ایڈی ......!"

ان کے نزدیک پہنچ کر باب ٹیلر نے پیچھے سے آہستگی سے پکار کر کہا۔

"آپ اطمینان سے مسٹر عمران کے ساتھ بات جاری رکھیں میں چند منٹ کے لیے اپنی ایک ذاتی مہمان کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ اور اس کی اجازت کے لیے میں نے آپ کو اس لمحے ڈسٹرب کیا ہے"

"آل رائٹ باب ......" مسٹر ایڈی نے پلٹ کر اس کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا اور دوبارہ عمران کے ساتھ نہایت مدھم آواز میں گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ عمران کے تینوں مسلح باڈی گارڈ اس وقت چار پانچ قدموں کے فاصلے سے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔

باپ ٹیلر نے سر کے اشارے کے ساتھ ان گارڈز کو ہوشیار رہنے کے لیے کہا اور تیزی سے اس کونے کی طرف بڑھا جدھر بہت سی عورتیں شراب کے جام تھامے نشے کی ترنگ میں کھل کھلا کر ہنستی چہکتی ایک دوسری سے باتیں کر رہی تھیں۔

"تم مارٹینی کیوں نہیں لیتیں۔"

ایک دراز قد نو عمر لڑکی کے نزدیک پہنچ کر باپ ٹیلر نے اسے اس طرح کہا جیسے وہ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا لیمن کا گلاس دیکھ سخت تعجب کر رہا ہو۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا پاپ میں ٹھیک نہیں ہوں۔ میں اس پارٹی میں بھی محض تمہارے اصرار پر آئی ہوں ورنہ ڈاکٹر نے مجھے ریسٹ کا مشورہ دیا ہے۔"

لڑکی نے تھکی ہوئی بوجھل آواز میں کہا۔ لگتا تھا۔ جیسے وہ واقعی بیمار ہو۔

یہ سی آئی اے کی ڈپلومیٹک ایجنٹ مس صوفیہ تھی۔

"سوری صوفی ڈارلنگ......"

باب نے اس کا ہاتھ تھام کر جذباتی انداز میں کہا
"واقعی تم ٹھیک دکھائی نہیں دیتیں۔ لیکن تمہارا شکریہ کہ تم نے میرے اصرار پر یہاں آنا پسند کیا۔ دراصل آج میں بہت خوش تھا اور تمہیں اپنی اس خوشی میں پوری طرح شریک دیکھنا چاہتا تھا۔"
"میں نے تم سے ٹیلی فون پہ بھی معلوم کیا تھا کہ خوشی کی کیا وجہ ہے لیکن تم نے کہا تھا کہ میرے یہاں آنے پر بتاؤ گے۔ اب جبکہ میں یہاں پر ہوں تو تمہیں وہ بات بھی بتا دینی چاہیئے جس نے تمہیں آج اس قدر خوش کر دیا ہے۔"
صوفیہ نے نقاہت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"اوہ صوفی ڈارلنگ! تم کو معلوم نہیں آج شہر میں اتنا بڑا ہنگامہ ہوا ہے۔ ایک ایشائی ملک کے تارکین وطن نے اپنے ہی ملک کے خلاف مظاہرہ کیا۔ جس میں اسلحے کے استعمال کے باعث ایس آدمی ہلاک ہو گئے ہیں۔ اور اس وقت پوری دنیا میں اس واقع کی اطلاع خبر رساں ایجنسیوں اور اخباری اداروں اور ریڈیو کے ذریعے پہنچ چکی ہے۔"
باب ٹیلر نے جذبات سے مغلوب آواز میں سرگوشی کے انداز میں صوفیہ کو بتایا تھا۔
لیکن یہ تو بہت افسوسناک حادثہ ہے باب! آخر اس میں

خوش ہوتے کی کیا بات ہے۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو......!"
صوفیہ نے باب ٹیلر کی طرف دیکھتے ہوئے رنج بھری آواز میں کہا۔

" مجھے اس حادثے کی تفصیلات کا علم ہے۔ خواہ مخواہ ایک انسان بے گناہ ہلاک ہو گئے۔ میرے لیے تو یہ خبر...."

" تم کیسی باتیں کر رہی ہو صوفی......!"
اچانک باب ٹیلر نے غور سے صوفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" پہلے تو تم نے کبھی میرے اس منصوبے کے بارے میں ایسی رائے نہیں دی تھی...... یہ ٹھیک ہے کہ تم میرے اس منصوبے کی حمایت میں نہیں تھیں اور نہ ہی اس میں میرا ساتھ دینے پر تیار تھیں لیکن تم نے کبھی اس طرح......

" اوہ سوری باب......!"
اچانک صوفیہ نے اپنا سر تھامتے ہوئے افسردہ سی آواز میں کہا

" مجھے معاف کر دو باب۔ دراصل میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے.....!"

" واقعی تم بہت زیادہ بیمار معلوم ہو رہی ہو۔ تمہاری آواز بھی اس بیماری کے باعث مجھے اجنبی اجنبی سی محسوس ہو رہی ہے۔

صوفیہ نے فوراً چونک کر باب ٹیلر کی طرف دیکھا جو نہایت گہری نظر سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر باب نے مضبوطی سے اس کا ایک بازو پکڑ لیا۔

"میرا خیال ہے تم اندر کسی کمرے میں کچھ دیر کے لیے ریسٹ کرلو۔ آؤ میرے ساتھ!"

صوفی کو خاص انداز میں بازو سے تھام کر وہ اپنے ساتھ چلاتا ہوا، خوش گپیوں میں مصروف عورتوں اور مردوں کے درمیان سے نکالتا ہوں، کوریڈور میں داخل ہو گیا۔ ایک لمبا کوریڈور عبور کرکے وہ عمارت کے اس حصے میں داخل ہو گیا جہاں ہال میں ابھرنے والی آواز بھی نہایت ہی مدّہم طور پر سنائی دے رہی تھی۔

پھر وہ ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ایک ہاتھ نے ابھی تک صوفیہ کا بازو تھام رکھا تھا۔

اندر داخل ہو کر اس نے دروازے کو ہاتھ کے زور سے بند کر دیا۔ پھر اس نے صوفیہ کا بازو چھوڑ کر نہایت سرد نظروں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"سچ سچ بتاؤ .... کون ہو تم.....!"

وہ ایک سفاک اور بے رحم آواز میں کہہ رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے باب ....!"

صوفیہ نے حیرت بھری آواز میں احتجاج کیا تھا لیکن باب نے اچانک ہی اس پر جھپٹ پڑنے کے انداز میں چھلانگ لگا دی تھی۔ صوفیہ نے اس سے بچ نکلنے کے لیے پہلو بدل کر اپنی جگہ سے ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن باب کے پھیلے ہوئے بازوؤں نے اسے نکلنے کا موقع نہیں دیا۔

وہ انتہائی غیر مہذب انداز میں صوفیہ پر گھونسوں اور مکوں کی بارش کر رہا تھا۔ اور اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کر رہا تھا کہ وہ ایک عورت پر وحشیانہ انداز میں ہاتھ اٹھا رہا ہے۔

اگلے پندرہ منٹ میں اس لڑکی کا لباس جگہ جگہ سے پھٹ چکا تھا۔ اس کے بال بُری طرح بکھر گئے تھے اور اس کے جسم پر چوٹوں کے ان گنت نشان ابھر آئے تھے۔ چہرے پر پڑنے والی بے شمار ضربوں سے اس کا چہرہ بُری طرح سوج گیا تھا۔ اور اس وقت وہ ایک دلکش نوجوان عورت کی بجائے ایک شدید ستم رسیدہ اور مظلوم اور وحشیانہ عمل کا شکار ہونے والی عورت دکھائی دے رہی تھی۔

عورت کے منہ سے نکلنے والی چیخوں کا سننے والا کوئی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اس وقت ایک ساؤنڈ پروف کمرے میں تھے۔ پندرہ منٹ کے بعد اس عورت کے اعصاب جواب دے گئے اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر پہلو کے بل گر گئی تھی۔ گرنے سے پہلے اس کے منہ سے

ٹوٹ ٹوٹ کر ایک لفظ بار بار نکلا تھا۔ ام ۔۔۔ ام۔۔۔ ران ۔۔۔۔۔ ام۔۔۔ام ۔۔۔۔ ران !"

ایسے جیسے وہ نیند میں بول رہی ہو!

اگلے دس منٹ میں ایک خاص محلول سے باب نے اس کا چہرہ دھو ڈالا دس منٹ کے بعد جب وہ اس بے ہوش عورت کے میک اپ کو صاف کرکے اس کا اصلی چہرہ دیکھنے میں کامیاب ہو سکا تو ایک دم عجیب و غریب خیال سے اس کی آنکھیں بڑی طرح طرح سکڑ گئیں۔

وہ صوفیہ کے میک اپ میں کوئی اور عورت تھی۔ ایک ایسی عورت جس نے بے ہوش ہونے سے چند لمحے قبل دوبار عمران کو آواز دی تھی۔ ایسے جیسے کسی کو مدد کے لیے پکار رہی ہو۔

باب نے تیزی سے اپنے دونوں ہاتھوں کو رگڑا۔ پھر انہیں تالیے سے صاف کرتا ہوا لپک کر اس ساؤنڈ پروف کمرے سے باہر نکلا تھا۔ اس کا رخ ہال کی طرف تھا۔ وہ ایسے چل رہا تھا جیسے مجلا دہ بھاگ۔

صوفیہ کے روپ میں اس عورت کی یہاں موجودگی نے اسے عمران کی طرف سے اچانک ایک پر اسرار اندیشے میں مبتلا کر دیا تھا۔

وہ محض اپنے اندیشے کی تصدیق کے لیے ہال میں عمران

کو تلاش کرنے جا رہا تھا۔ جسے وہ صدارتی امیدوار مسٹر
جارج ایڈی کے ہمراہ گفتگو کرتے ہوئے چھوڑ کر آیا تھا۔

"ایکس کیوز می مسٹر ایڈی......!"

باب ٹیلر نے ان دونوں کے نزدیک پہنچ کر مؤدب سی آواز میں کہا۔ مسٹر جارج ایڈی نے سر اٹھا کر باب کی طرف دیکھا، وہ اس وقت عمران کا ہاتھ تھامے ہوئے بے تکلفی لیکن مدھم آواز کے ساتھ اس سے باتیں کیے جا رہے تھے۔ شائد آج کے واقعے نے انہیں عمران کی طرف سے اتنا خوش کر رکھا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ توجہ کے ساتھ اسے اس "کارنامے" کی داد دینا چاہتے تھے۔

"کیا بات ہے باب...... تم کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو!" مسٹر ایڈی نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ! ایسی کوئی بات نہیں مسٹر ایڈی......!"

اس نے جھنس کر سر ہلایا۔ اس دوران اس کی نظریں بار بار عمران پر پڑ رہی تھیں۔ جسے عمران اور مسٹر ایڈی واضح طور پر محسوس کر رہے تھے۔

"کیسا شاندار آدمی دریافت کیا ہے تم نے باب ......!"

ایڈری نے اسے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے پرجوش سی آواز میں کہا۔

"واقعی تم ہیروں کی خوب پرکھ رکھتے ہو۔ اس لیے تو میں بھی تمہارے سلسلے میں......!"

"دراصل میں اس سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا مسٹر ایڈری...!" باب نے مسٹر ایڈری کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔ اس کی نظریں بدستور عمران پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"اوہ! ضرور ضرور......"

مسٹر ایڈری نے ہاتھ ہلاتے ہوئے گرم جوشی سے کہا، پھر وہ عمران کی طرف مڑے۔

"تم آج پارٹی کے ختم ہونے پر مجھ سے مل کر جاؤ گے مسٹر ام... ران!"

پھر اسی گرم جوشی سے عمران کا کندھا دباتے ہوئے وہ اس ہجوم کی طرف متوجہ ہوگئے جو کافی فاصلے پر ان کی فراغت کا منتظر کھڑا تھا۔

"ذرا میرے ساتھ آؤ مسٹر عمران......!"

باب ٹیلر نے نرمی سے اس کا بازو تھامتے ہوئے کہا۔ لیکن اس کی گرفت کی سختی نے عمران کو احساس دلا دیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

"خیریت تو ہے مسٹر باب ٹیلر......!"

عمران نے بے تکلف اور لاتعلق سی آواز میں پوچھا۔
"ہاں! ہاں! سب خیریت ہے۔ تم آؤ تو سہی میرے ساتھ......!"
باب ٹیلر اسے اس طرح ساتھ لے جانے پر ضد کر رہا تھا جیسے کسی نہایت اور ہنگامی نوعیت کے مسئلے پر اسے عمران کی ضرورت محسوس ہو رہی ہو، عمران کا بازو تھامنے کے بعد اس نے محتاط اور چونکتی نظروں سے چاروں طرف دیکھا تھا جیسے حالات کا جائزہ لے رہا ہو۔ اس جائزے کے دوران اس نے چند فٹ کے فاصلے پر کھڑے عمران کے تینوں نیگرو "باڈی گارڈوں" کو بھی ہمراہ آنے کا اشارہ کیا تھا۔ اشارہ بہت خفیف تھا لیکن عمران کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔
باب نے اس طرح ہونٹوں پر زبان پھیری جیسے ڈائنگ ٹیبل پر سالن کی کوئی پسندیدہ ڈش دیکھ کر کھانے والا ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہے۔ پھر اس کے ہونٹوں کے کونے ایک مخصوص انداز میں کھل گئے۔ اس کی اس مسکراہٹ کو سوائے عمران کے اور کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اسے نے محسوس کر لیا تھا کہ شکار اور شکاری کے درمیان فاصلہ اب اتنا کم رہ گیا ہے کہ دونوں میں مزید صبر کی تاب باقی نہیں رہی ہے۔
ہال میں لوگوں کے درمیان چلتے ہوئے باب ٹیلر اور عمران بڑے دروازے سے باہر نکل گئے۔ تینوں نیگرو انکے پیچھے پیچھے محتاط انداز میں چل رہے تھے۔

باہر نکل کر باب ٹیلر اسے کوریڈور میں سے گذارتا ہوا اسی دروازے کے نزدیک پہنچا جہاں اس سے پہلے وہ اس عورت کو لے کر آیا تھا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چابی نما کوئی چیز نکالی اور اور اسے دروازے کے ہینڈل کے نیچے چھوٹے سے سوراخ میں ڈال کر "کلک" کی آواز کے ساتھ دروازہ کھولا اور اسے لیتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

"اسے پہچانتے ہو مسٹر عمران ----!"

اندر پہنچ کر کھلے ہوئے دروازے سے محض ایک قدم کے فاصلے پر رک کر باب ٹیلر نے سرد اور بے رحم سی آواز میں اچانک عمران کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

عمران نے باب ٹیلر کی بدلی ہوئی آواز پر چونک کر محض ایک ساعت کے لیے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ پھر اس کے ہاتھ کے اشارے پر اس طرف دیکھا جدھر وہ اٹھا ہوا تھا۔

قالین پر ایک عورت پہلو کے بل پڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ چوٹوں اور خراشوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کا لباس بری طرح پھٹ چکا تھا۔ اور اس کے جسم کا بیشتر حصہ لباس کے پھٹے ہوئے حصوں میں سے نمایاں ہو رہا تھا۔

"ہائیں! ارے یہ تو اپنی جولیا ہے بھائی ---!"

عمران کے منہ سے یہ جملہ پوری بے ساختگی کے ساتھ نکلا تھا۔ پھر وہ جیسے اڑ کر جولیا کے نزدیک پہنچا لیکن اس سے پہلے

کہ وہ جولیا پر جھک کر اس کے جسم کو سیدھا کرتا۔ پاپ ٹیلر کی کڑک دار آواز اس کے کانوں میں گھسی تھی۔

"اسے پکڑ لو......"

عمران جھکتے جھکتے ایک دم سیدھا کھڑا ہوا۔ اسے خبر تھی کہ یہ حملہ کس آدمی کے لیے کن لوگوں سے کہا گیا ہے۔ تینوں نیگرو بھوکے چیتوں کی طرح اس پر جھپٹے تھے لیکن عمران نے سیدھا کھڑے ہوتے ہی اپنی ایک ایڑھی پر گھومتے ہوئے سیدھے ہاتھ کو پوری قوت سے گھما دیا تھا۔ اس ہاتھ کی ضرب آگے آنے والے نیگرو کے جبڑے پر پڑی تھی اس کے منہ سے کراہ کی آواز بلند ہوئی۔ اس کے پیچھے آنے والے دونوں نیگرو اپنے ساتھی کے جسم ہی سے ٹکرائے۔

عمران نے اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے اس طرح جمپ کیا جیسے اس کے پاؤں میں اسپرنگ فٹ ہوں۔ پھر تقریباً چھ فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہو کر اس نے عجیب سی نظروں سے پاپ ٹیلر اور ان تینوں نیگروز کو دیکھا جو عمران کے جگہ بدلتے ہی دوبارہ اس پر جھپٹ پڑنے کو تیار تھے۔

"کم آن بےبی...... !"

انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر عمران نے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھا کر لیے کہا جیسے بچوں کو پاؤں پاؤں چلنا سکھاتے کی

کوشش کر رہا ہو۔ اس وقت اسکے ماتھے پر نیلے رنگ کی ایک رگ ابھر آئی تھی۔ یہ رگ ایسے ہی موقعوں پر ابھرتی تھی جب اس کے اندر وحشیانہ انتقام کا جذبہ لاوے کی طرح کھولنا شروع کر دیتا تھا۔

ان تینوں میں سے دو نیگرو آگے تھے۔ مسٹر عمران کی پہلی ضرب کھانے والا ذرا سست پڑ جانے کے باعث پیچھے رہ گیا تھا۔ جوں ہی وہ دونوں عمران کے نزدیک پہنچے۔ عمران نے عجیب انداز میں اپنے جسم کو حرکت دی۔ محض پلک جھپکنے میں اس کا چہرہ دیوار کی طرف اور کمر ان حملہ کرتے ہوئے نیگرو کی طرف ہو گئی۔ عین اسی لمحے وہ دونوں عمران کے نزدیک پہنچے۔ عمران نے اپنے دونوں بازو فضا میں بلند کیے اور ایک دائرے کی شکل میں واپس اپنی طرف موڑا اور جس وقت اس کی مٹھیاں اپنی ہی کمر کے ساتھ دائیں بائیں چپکی تھیں تو عمران اپنے دونوں بازوؤں میں دونوں نیگروز کی گردنیں دبوچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

گردنیں دبوچتے ہی عمران نے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔ صرف دس منٹ تک دوڑتے چلے جانے کے بعد عمران نے اپنے بازوؤں کی گرفت میں دبے ہوئے ان نیگروز کے سر دیوار کے ساتھ ٹکرا دیئے تھے۔

سر دیوار سے ٹکراتے ہی عمران پیچھے ہٹ گیا۔ ایک زور

وار آواز کے ساتھ ہی ان دونوں کے منہ سے کربناک چیخوں کی آوازیں نکلی تھیں۔ پھر وہ اپنے اپنے سروں کو تھام کر اس طرح واپس پلٹے تھے جیسے وہ اندھے ہوں اور اندھیرے میں بے دھیانی کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے راستہ تلاش کر رہے ہوں۔

عمران ان دونوں کے پلٹتے ہی ان پر اگلا وار آزمانا چاہتا تھا لیکن اپنا یہ داؤ محفوظ رکھ کر اسے پہلے تیسرے نیگرو سے نمٹنے کی ضرورت تھی جو ان دونوں کے فوراً بعد ہی حملہ آور ہو گیا۔ اس نے پنجوں کے بل چھلانگ لگا کر اپنے دونوں پاؤں بھاری بوٹوں سمیت عمران کی کمر پر ٹکا کر اس کے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا تھا اور نہایت تیزی کے ساتھ اپنے ہاتھوں کی گرفت کو سخت کرتا جا رہا تھا۔

اس کے ہاتھوں کی گرفت اس قدر سخت تھی کہ عمران نے محسوس کیا جیسے اس کا سر کسی بھی لمحے اب دو حصوں میں تقسیم ہونے والا ہے۔ اسے اپنی آنکھوں کے گرد تارے سے ناچتے ہوئے محسوس ہوئے لیکن اس سے پہلے کہ وہ نیگرو کے اس زبردست اور جان لیوا داؤ کے سامنے ہتھیار ڈال کر بے بسی کا اعلان کر دیتا۔ اس نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ کر زمین پر گرا دیا۔

وہ منہ کے بل زمین پر گرا لیکن لیکن اپنا سر زمین سے محض چند انچ اوپر رہ جانے پر اس نے برق رفتاری سے دونوں

ہاتھ زمین پر ٹکا کر کمر کو اور زیادہ بلند کر لیا تھا۔ اب اس کے جسم کا توازن زمین پر ٹکے ہوئے قدموں اور ہاتھوں پہ قائم تھا۔ یہ وہ زاویہ تھا جس نے ٹیگرو کو اپنا توازن قائم رکھنا ناممکن بنا دیا تھا۔ عمران اتنی تیزی سے زمین پر گرا تھا کہ ٹیگرو کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اس کا چہرہ تیزی سے فرش کے ساتھ ٹکرایا لیکن فرش پر قالین بچھا ہونے کے باعث وہ چوٹ سے محفوظ رہا تھا لیکن عمران کے سر پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ختم ہو گئی تھی۔ اور وہ لڑھک کر پرے جا گرا۔ یہ سب کچھ صرف چند لمحوں کے اندر اندر ہوا۔

عمران تیزی سے اوپر اٹھا لیکن سیدھا کھڑا ہو کر اس نے اپنے حریف کے لیے اٹھنے کی گنجائش ختم کر دی تھی۔ اس ایک ٹانگ فضا میں لہرائی اور فل بوٹ کی ایک شدید ضرب اس ٹیگرو کی پسلیوں پہ پڑی۔ اس کے منہ سے بے اختیار ایک بھیانک سی آواز نکلی۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے پسلیوں کو سنبھال کر اس نے اُٹھ کھڑا ہونے کی پوری کوشش کی لیکن عمران نے برق رفتاری کے ساتھ جھک کر گھٹنوں کے بل اٹھتے ہوئے اس ٹیگرو کی گردن پر دونوں کندھوں کے درمیان اپنی کہنی سے ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کا جسم چٹ سے فرش کے ساتھ ٹکرایا پھر وہ پانی سے نکال کر فرش پہ پھینکی گئی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ اس نے دونوں

ہاتھوں سے گردن کے اس حصے کو جکڑ رکھا تھا جہاں عمران نے ضرب لگائی تھی۔ اس کی آنکھیں شدید تکلیف کے باعث بند تھیں اور چہرہ سخت کرب اور اذیت کے احساس سے بگڑ گیا تھا۔ جانے عمران نے یہ کیا داؤ استعمال کیا تھا کہ نیگرو جانکنی کے عالم میں حلال کی ہوئی مرغی کی طرح پھڑکنے لگا تھا۔

تیس سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں اس نیگرو سے فارغ ہو کر عمران پلٹا اور دیکھا کہ اس سے تین چار فٹ کے فاصلے پر دونوں نیگرو خون آلود چہروں کے ساتھ حیرت اور خوف سے بھری ہوئی نظروں کے ساتھ اپنے تڑپتے ہوئے ساتھی کو دیکھ رہے ہیں۔

"اوہ یو باسٹرڈز...... پک ہم اینڈ کل......!"

اچانک دروازے کے قریب سے باب ٹیلر کی کرخت آواز سنائی دی۔ آواز سنتے ہی ان دونوں کے جسم میں بجلی دوڑ گئی۔ وہ آگے بڑھے اور عمران پر ٹوٹ پڑے۔

دیوار سے ٹکرانے کے باعث زخموں سے جو خون بہہ نکلا تھا اس نے ان کے حلیے کو خوفناک بنا دیا تھا لیکن ان زخموں نے انہیں کسی منصوبہ بندی کے ساتھ عمران پر قابو پانے کی صلاحیت سے بھی محروم کر دیا تھا۔ وہ اندھا دھند ہاتھ پاؤں چلا رہے تھے۔

عمران نے نہایت صبر اور تحمل کے ساتھ ان کی اندھی ضربوں کو اپنے جسم پر روکا۔ وہ ان دونوں کی بچی کھچی طاقت زائل کرنے

کے لیے یہ مار کھانے پر تیار ہو گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اس کے دائیں جبڑے پر آنکھ سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر ڈیڑھ انچ سے بھی لمبا کٹ پڑ گیا تھا۔ اس کا نچلا ہونٹ بھی پھٹ گیا۔ اور اسے اپنی پسلیوں پر درد کی لہریں بھی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئیں لیکن اس نے کوئی جوابی داؤ استعمال نہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ان تینوں ٹیگروز کی جیبوں میں ریوالور موجود ہیں۔ جن کو کسی خاص وجہ کے باعث استعمال نہیں کیا گیا۔ اُسے اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ باب ٹیلر یقیناً کوئی نہ کوئی ہتھیار جیب میں رکھتا ہو گا۔ جو وہ کسی بھی وقت استعمال کر سکتا ہے۔ ان حالات میں عمران نے محسوس کیا تھا کہ اپنی قوت کو زائل کرنے کی بجائے ان لوگوں کی قوت کو بتدریج ختم کر دے۔ تاکہ وہ ہتھیاروں کے استعمال کے قابل ہی نہ رہیں۔

تقریباً ایک منٹ تک عمران اپنے جسم کو ان دونوں ٹیگروز کی باکسنگ میں سینڈ بیگ (ریت کے تھیلے) کے طور پر استعمال کرتا رہا۔ لیکن پھر اس نے محسوس کیا کہ ان کی ضربوں کی شدت بہت کم ہو گئی ہے۔

عین اسی وقت عمران نے اپنے دونوں بازوؤں کو حرکت دی اور کراس کی شکل میں انہیں ایک دوسرے کے آر پار لے جاتے ہوئے دونوں ٹیگروز کے جبڑوں پر زوردار پنچ رسید کیے۔

عمران کی طرف سے کوئی مدافعت نہ ہونے کے باعث وہ دونوں اندھا دھند کِکے پر سارہے تھے جوں ہی عمران کے پنچ ان کے جبڑوں سے ٹکرائے۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹے۔ اور اس سے پہلے کر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھیں عمران اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس کی دونوں ٹانگیں پوری پھیل گئیں پھر اس کے دونوں پاؤں ان نیگروز کے چہروں سے ٹکرائے اور وہ کمر کے بل ایک بلند آواز کے ساتھ گر گئے۔

عمران کی فلائنگ کِک نے اس کی مرضی کے مطابق کام کیا تھا۔ ان کے زمین پر گرتے ہی عمران تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ اپنا کشتی والا مخصوص داؤ استعمال کرکے ان دونوں سے بھی فارغ ہونا چاہتا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس کام سے فارغ ہوتا۔ باب ٹیلر کی للکارتی ہوئی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

"سٹاپ۔ یو ڈیول ......!"

یہ باب ٹیلر چیخا تھا۔ عمران نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دونوں ہاتھ جھاڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"مزا تو جب تھا مسٹر باب کہ ایک ریوالور میرے پاس بھی ہوتا ......!"

اس نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"ونٹ اپ ...... مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ!"

باب ٹیلر کے منہ سے آواز اس طرح نکلی تھی جیسے وہ شدید خوفزدگی کے عالم میں کسی کو مدد کے لیے پکار رہا ہو۔

"میرا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے مسٹر باب جس کے جوان میدان جنگ میں جاتے ہوئے اپنا کفن سر سے باندھ کر نکلتے ہیں۔ چلاؤ گولی، میں تیار ہوں!"

یہ کہتے ہوئے عمران دونوں ٹانگوں کو پھیلا کر اپنا جسم ڈھیلا چھوڑتے ہوئے اس طرح کھڑا ہو گیا تھا جیسے باب ٹیلر کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کی گولی اپنے سینے پر روکنے کے لیے پوری طرح تیار ہو۔

باب نے اپنا ریوالور والا بازو بالکل ناک کی سیدھ میں پھیلا دیا۔ پھر اسکی آنکھیں سکڑ گئیں۔ عمران اس کے ریوالور کے عین سامنے میں کھڑا ہوا تھا۔ پھر اس کی انگلی نے حرکت کی اور اسکے ریوالور کی لبلبی ایک خفیف سے جھٹکے کے ساتھ دب گئی۔

کمرے میں گولی چلنے کا ایک گرجدار دھماکہ ہوا۔ اس کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا پھر پانچواں۔ باب ٹیلر پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔ وہ وحشیانہ انداز میں گولیاں چلاتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے لبلبی دبائی اور کلک کی آواز کے سوا کچھ بھی نہ ہوا۔ ریوالور کی گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔

اس نے گولیوں سے چھلنی عمران کا تڑپتا ہوا جسم دیکھنے کے

لیے آنکھیں کھولیں اور بے پناہ دہشت سے بھری ہوئی حیرت نے اس کے پورے جسم کو ایک جھٹکے سے دو چار کر دیا۔ اس کے سامنے عمران کہیں بھی موجود نہ تھا۔ اچانک ایک آواز نے اسے بری طرح پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

"فرش کی طرف دیکھنے کی بجائے سامنے دیوار کی طرف دیکھو باب۔۔۔۔۔!"

بے اختیار باب دوبارہ سیدھا ہو کر دیوار کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔ یہ اس کے لیے مکمل دہشت زدگی میں مبتلا ہونے کا آخری مرحلہ تھا۔

سامنے دیوار پر اس کی چلائی ہوئی گولیاں عمران کے جسم میں پیوست ہونے کی بجائے اس دیوار میں پیوست ہوتی رہی تھیں لیکن عمران۔۔۔۔۔

پھر باب ٹیلر کو عمران کے دیکھ لینے میں زیادہ دقت نہیں ہوئی تھی۔ وہ دور ایک کونے میں دونوں بازو اپنے سینے سے چمٹائے مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ باب کو دیکھ رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر باب کہ تمہارے ریوالور نے بھی تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ تینوں تو پہلے ہی۔۔۔۔۔!"

عمران نے قالین پر الٹے سیدھے پڑے ہوئے تینوں بے ہوش نیگروز کی طرف سر سے اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اوہ یو بلڈی گھوسٹ ۔۔۔۔۔!"

باب ٹیلر کی آواز خوف سے لرز رہی تھی۔ پھر اس نے کھینچ کر اپنا ریوالور عمران کو مارا جسے عمران نے ایک ماہر فیلڈر کی طرح نہایت پھرتی کے ساتھ کیچ کر لیا۔

ریوالور عمران کی طرف پھینکتے ہی باب تیزی سے کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ شاید وہ اپنی جنگ ہار جانے کے شدید احساس کے باعث فرار ہی کو نجات کا آخری راستہ سمجھ بیٹھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے باہر قدم نکالتا۔ دروازے پر کئی لوگوں کا ہجوم ایک دم اکٹھا ہو گیا۔

عمران نے پہچان لیا یہ سی آئی اے سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ اور ان لوگوں کے درمیان بلیک زیرو تھا جس کی آنکھیں شدید جذبات کے باعث سکڑی ہوئی اور سرخ تھیں۔

"تمہارا باب ختم ہو چکا ہے مسٹر باب۔۔۔۔۔!"

ایک طویل قد کے کرخت چہرے والے آدمی نے کہا۔ جس کے جسم پر اوور کوٹ اور سر پہ جھکا ہوا ہیٹ تھا۔

"اور وہ ڈرامہ بھی اپنے انجام کو پہنچا جس میں تمہارا کردار شامل تھا"

باب ٹیلر نے ایک زخمی جانور کی طرح وحشت زدہ نظروں سے پلٹ کر عمران کی طرف دیکھا اور پھر دروازے کی طرف جہاں

سے گزر کر نکلنے کا اب کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔

اچانک وہ رو دینے انداز میں دھاڑتا ہوا دروازے میں کھڑے ہوئے ہجوم پر جھپٹا لیکن بے سود۔ وہ اچھل کر دروازے میں کھڑے جن لوگوں پر گرا تھا۔ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسے اپنی گرفت میں لے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دی تھیں۔

بلیک زیرو تیزی سے ان لوگوں کے درمیان سے نکل کر عمران کی طرف بڑھا۔[”عمران صاحب آپ۔۔۔۔ جولیا۔۔۔۔“

”فکر مت کرو پیارے سب ٹھیک ہے۔“[عمران نے اپنی آنکھ کے نیچے آئے ہوئے زخم کو سہلاتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے بلیک زیرو کا کندھا سہلایا۔

”بس ذرا اس بیچاری کی فکر کرو۔ پتہ نہیں اس ظالم نے کیا سلوک کیا ہے اس کے ساتھ“، عمران دور قالین پر پہلو کے بل ابھی تک بے ہوش پڑی ہوئی جولیا کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

عمران کے اشارے پر بلیک زیرو نے جولیا کو دیکھا اور پھر وہ تیر کی طرح اس کی طرف بڑھا تھا۔ صرف تین منٹ کے بعد جب عمران سی آئی اے کے افسروں کے ساتھ دوبارہ ہال میں داخل ہوا تو اس کا منظر پوری طرح بدل چکا تھا۔

مسٹر ایڈی چند دوسرے سی آئی اے افسران کے درمیان گھرے ہوئے گلے کی پوری آواز کے ساتھ چیخ رہے تھے اور

اس سارے ڈرامے سے اپنے آپ کو لا تعلق ثابت کرنے کے لیے دلیلیں دے رہے تھے۔

ہال کے ایک اور کونے میں تقریباً چالیس کے قریب گورے اور نیگرو ریوالوروں کی زد میں گھرے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کو اپنی زد میں لینے والے ریوالور بردار وں کا تعلق بھی یقیناً سی آئی اے ہی سے رہا ہوگا۔

پارٹی میں شریک وہ سارے مہمان جنکا اس قصے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بڑی طرح پریشانی کے عالم میں ہال کے ایک کونے میں جمع چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ اور اس پارٹی کی کوریج کو آئے ہوئے اخباری نمائندے اور فوٹوگرافر اپنی مکمل پیشہ وارانہ پھرتی کے ساتھ اچانک ہی بدل جانے والی اس ڈرامائی صورت حال کی جزئیات کو اپنے اخباروں کے لیے محفوظ کر رہے تھے۔

صدارتی امیدوار کی حیثیت سے مسٹر جارج ایڈی کی مقبولیت تھوڑی سی دیر میں زیرو پوائنٹ پر پہنچ چکی تھی۔ وہ چیخ رہے تھے۔ ہاتھ ہلا ہلا کر اپنی صفائی میں کچھ کہہ رہے تھے۔ لیکن بیلے کو د۔

"اب کون سا منہ لے کر پاکیشیا جاؤ گی۔۔۔!"

عمران نے جولیا کو مخاطب کیا جو نہایت سنجیدگی کے ساتھ صوفے میں دھنس کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔۔!"

جولیا نے تنک کر عمران کی طرح دیکھا۔ وہ اس کے جملے کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔

"میرا مطلب ہے یہ منہ اور مسور کی دال!"

ایک تو میرے ساتھ یہ سلوک ہوا اوپر سے تم ایسی بکواس پسند نہیں کرتے۔"

جولیانے رنجیدہ سی آواز میں کہا۔ اس نے اپنے ہاتھ کو چہرے پر پھیرتے ہوئے ان جگہوں کو نرمی کے ساتھ دبایا جہاں جہاں چوٹوں کے باعث اسے تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔

"اور میں جانتی ہوں یہ سب تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔ نہ تم وہ پیغام لہراتے نہ مجھے اس چڑیل کا میک اپ کرنا پڑتا

اور نہ۔۔۔۔۔۔۔“

”ارے بس بس بھاگوان بی۔۔۔۔“

عمران نے ہاتھ اٹھاکر اس کے بڑھتے ہوئے غصے کو بریک لگانے کی کوشش کی۔

وہ اس وقت ایک عالمی شہرت یافتہ ائیرپورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جہاں سے کچھ ہی دیر بعد انہیں اپنے وطن کے لیے روانہ ہونا تھا۔ باہر ایروڈرم پر ان کی پوری ٹیم کو پاکیشیا لے جانے کے لیے خصوصی طور پر ایک طیارہ چارٹرڈ کیا گیا تھا۔ اور کسی بھی لمحے انہیں طیارے پر سوار ہونے کا پیغام ملنے والا تھا۔

”میرے اسی پیغام کا تو کرشمہ ہے جولیانا بی کہ اس وقت میں، تم، یہ، وہ، ہم سب زندہ سلامت یہاں ایک دوسرے کے پاس موجود ہیں اور اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔“

”درست کہتے ہیں آپ۔۔۔۔۔۔“

صفدر نے اپنی نشست پر پہلو بدلتے ہوئے کہا

”واقعی اگر آپ وہ پیغام نہ لہراتے تو ہم ابھی اس شہر کے گلی کوچوں میں آپ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہوتے اور ادھر آپ کے ساتھ جانے وہ کیا سلوک کرتے۔۔۔۔

”میرے ساتھ تو وہ جو سلوک کرتے سو کرتے لیکن ذرا ان لوگوں کو بتاؤ کہ تم نے اس پیغام کے ساتھ کیا سلوک کیا۔“

"ں کی..... ہاں..... !"

صفدر نے کسی پرانے واقعے کی طرح اسے یاد کرتے ہوئے مسکرا کر عمران کی طرف دیکھا۔

"آپ جب مجھے دیکھ کر لاتعلق سے گزر گئے تو میں نے جان لیا کہ آپ کسی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ بیئرر پر آپ لکھے ہوئے پیغام کو ذہن نشین کر کے میں جیسے تیسے کر کے اپنے ہوٹل واپس پہنچا جہاں سے میں نے ٹرانسمیٹر پر ایکس ٹو سے رابطہ قائم کیا۔ اور تفصیل کے ساتھ حالات سے اسے آگاہ کیا۔

ایکس ٹو نے اگلے دو گھنٹوں میں تمام کارکنوں کو ٹرانسمیٹر کے ذریعے پیغام دے کر میرے کمرے میں جمع ہونے کی ہدایت کی اور جب تمام ساتھی اکٹھے ہو گئے تو ایکس ٹو نے ہمیں صوفیہ کو اغوا کرنے کے طریقۂ کار سے آگاہ کیا میں جولیا کو لے کر سی آئی اے ہیڈ کوارٹر چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر ہم دونوں نے صوفیہ کے ساتھ تقریباً دو گھنٹے گزارے۔ جس میں جولیا نے اس کی حرکات و سکنات اور آواز کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کیں۔

ہم دونوں اس سے ایشیائی صحافیوں کے روپ میں ملے تھے۔ جو یورپ اور امریکہ میں عورتوں کی ترقی کے بارے میں سروے کرتے پھر رہے تھے۔ مسٹر ایڈی کی پارٹی کے سلسلے میں باب ٹیلر کا ٹیلی فون صوفیہ کو ہمارے سامنے ہی آیا تھا اور صوفیہ نے باب کے بتائے ہوئے مقام اور وقت کو بلند آواز سے دوہراتے

ہوئے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا تھا۔

اسی سہ پہر جب صوفیہ اپنے دفتر سے نکلی تو ہم نیچے ایک ریسٹوران میں اس کے منتظر تھے۔ وہ اپنی سفید رنگ کی سپورٹس میں تھی۔ ہم نے اس کا تعاقب کیا اور ایک سنسان سڑک پر اسے گھیرنے میں کامیاب ہو گئے۔

خوش قسمتی سے جولیا اور صوفیہ کا جسم ایک ہی جیسا تھا۔ لہٰذا اس کا لباس جولیا کو بالکل فٹ آیا تھا......"

"ہائیں! تم کیسے آدمی ہو یار......!"

عمران نے اسے ٹوکتے ہوئے۔

"ایسی بے شرمی کی باتیں کرتے ہو۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ صوفیہ کا لباس اسے فٹ آیا کیا یہ سب تمہارے سامنے......!"

"بند کرو اپنی بکواس......!"

جولیا نے ایک دم سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ چل کر کہا۔

"میرے لباس تبدیل کرنے کے دوران صفدر گاڑی میں موجود نہیں تھے۔"

"اوہو! اتنا گھبرائی کیوں ہو میں نے تو تمہارے ہی بھلے کی بات کی تھی......!"

"آپ بھی حد کرتے ہیں عمران صاحب......!"

صفدر نے شرمائی ہوئی آواز میں ہنستے ہوئے کہا

"ہاں ہاں! صفدر بھائی ٹھیک کہتے ہو۔ میری تو قسمت ہی ایسی خراب ہے۔ جس کے فائدے کی بات کرو وہی مخالف ہو جاتا ہے۔۔۔!"

عمران نے روہانسی آواز میں کہا

"اس میں کس کے فائدے کی بات تھی۔۔۔۔۔!"

جولیا بُری طرح ناراض معلوم ہو رہی تھی۔

"اس میں فائدے کی بات نہیں تو اور کیا ہے نہ تم صوفیہ بی بی کا میک اپ کرتیں۔ نہ اس کا لباس پہنتیں نہ پارٹی میں جاتیں نہ باب ٹیلر تم پر شک کرتا نہ تمہارا میک اپ اترتا۔ نہ وہ مجھے پکڑ کر اس کمرے میں لے جاتا۔ نہ اس سارے ڈرامے کا پول کھلتا اور نہ یہ لوگ اسپیشل طیارہ چارٹر کر کے تمہیں پاکیشیا بھیجنے کا بندوبست کرتے۔ کہو اب کیا کہتی ہو۔۔۔۔۔!"

"لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی عمران صاحب۔۔۔!"

صفدر نے غور کے ساتھ عمران کی بات سن کر اقرار میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں اور جولیا تو خیر پارٹی میں پہنچ گئے لیکن یہ سی آئی اے والے اور دوسرے لوگ کس طرح۔۔۔۔۔"

ارے تم کیا سمجھتے ہو اسے۔۔۔۔۔ لومڑی سے زیادہ چالاک ذہن رکھتا ہے وہ۔۔۔۔۔!"

"کیا مطلب! کس کی بات کر رہے ہیں آپ ——؟"
صفدر نے اس بات نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔
"ارے وہی تمہارا چوہا۔ اور کون ..... تمہیں اور اس بیچاری جولیا کو ادھر لگا کر وہ بھاگا ہوگا۔ سی آئی اے والوں کے پاس اور منت سماجت کر کے مانگی ہوئی مدد اور وہ بے چارے ایک غیر ملکی مہمان کی عزت و آبرو بچانے کے لیے پہنچ گئے ہوں گے اس کے ساتھ پارٹی میں اور لیس ..... "
"لیکن ... لیکن ایکس ٹو تو وہاں نہیں تھا ..... !"
جولیا نے چونک کر عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"ارے تمہیں کیا پتہ ہوگا کہیں ادھر ادھر قالین کے نیچے۔ کسی شراب کی الماری کے پیچھے کسی کرسی کے پائے کیساتھ چپکا ہوا۔ آخر ایک چوہے کو کتنی جگہ کی ضرورت ہوگی چھپنے کے لیے۔"
"تم ہمیشہ فضول باتیں کرتے ہو عمران !"
جولیا نے ایکس ٹو کے بارے میں اس کے ریمارکس پر احتجاج کیا
"ارے میں جھوٹ بول رہا ہوں کیا۔ اچھا تم ہی فیصلہ کر دیار طاہر! یہ سب لوگ تو اس کے پیچھے ہیں !"
عمران نے بلیک زیرو کی طرف دیکھ کر کہا جو اس کے دوست طاہر کے روپ میں اس وقت وہاں موجود تھا۔
"یہ آپ لوگوں کے گھریلو معاملے ہیں عمران صاحب ! میں

بھلا کیا فیصلہ کر سکتا ہوں۔ مجھے کیا پتہ ہے ایکس ٹو صاحب کیا بلا ہیں اور ۔۔۔۔ ! "

"ارے یار تم بھی بس ایسے ہی ہو۔ آدمی کبھی کبھار تھوڑا سا دوستی کا خیال بھی کر ہی لیتا ہے ۔۔۔۔ "

پھر وہ چونکا اور ایک کستے میں خاموش بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کرکے بولا

"اچھا چھوڑو! یہ بتاؤ کہ تم میں سے کوئی ان صاحب کے بارے میں بھی جانتا ہے کہ نہیں!"

"یہ ۔۔۔۔۔ !"

صفدر کا لہجہ شدید طنزیہ تھا۔

"انہیں کون نہیں جانتا عمران صاحب ۔۔۔۔ عابد علی صاحب یہ ہی تو ہیں جو اپنی تیار کی ہوئی سازش ناکام ہونے پر ملک سے بھاگ نکلے تھے اور یہاں آکر ۔۔۔۔۔ !"

"ملک سے بھاگنے تک کا قصہ تو ٹھیک ہے بھائی ۔۔۔!"

عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا

"لیکن یہاں ان صاحب کے بارے میں جو ڈرامہ رچایا گیا تھا۔ اس میں یہ بے موت ہی مارے جا رہے تھے۔"

"کیا مطلب کیا یہ ان ہنگاموں میں شریک ۔۔۔۔!" صفدر نے جلدی سے کہا۔

"ارے نہیں یار..... یہ ہنگامے تو اس سالے جارج ایڈی کی پارٹی "وار فرنٹ" کا کرشمہ تھا باب ٹیلر جارج ایڈی کا قریبی آدمی تھا۔ جس کے ذمے یہ کام تھا باب ٹیلر وزارت خارجہ کا افسر تھا لیکن اپنے شیطانی ذہن کو استعمال کر کے اس نے وار فرنٹ پارٹی کو مقامی لوگوں میں مقبول بنا کر ان کے ووٹ حاصل کرنے کے لیے جو پالیسی ترتیب دی تھی اس کے تحت تارکین وطن کے خلاف مہم چلا کر ان ملکوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنا مقصود تھا جہاں سے یہ بیچارے لوگ آئے تھے۔ لیکن اس کے پس منظر میں....."

"براہ کرم آپ جہاز میں تشریف لے چلیں....."

اچانک لاؤنج میں ایک خوب صورت اور سمارٹ سی خاتون نے نمودار ہو کر شائستہ اور نرم آواز میں کہا اور عمران کا سلسلہ کلام ٹوٹ گیا۔

"اوہ !....."

عمران اپنی جگہ سے اٹھ کر بریف کیس سنبھالتے ہوئے بولا

"آؤ بھائی چلیں باقی پھر سہی۔"

پھر اس نے صفدر اور جوزف کو اشارہ کیا تھا کہ عابد علی نامی آدمی کو دونوں بازوؤں سے تھام کر دروازے کی طرف لیے چلے گئے۔

دروازے کے قریب رک کر عمران نے ایک ایک ساتھی کو نکلتے ہوئے دیکھا۔ سب سے پیچھے جولیا تھی۔

"میرا خیال ہے تم ابھی یہیں رک جاؤ......!"

عمران نے نہایت ہمدردانہ آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"کیوں..... میں کیوں رک جاؤں بھلا.....!"

جولیا نے چلتے چلتے حیرت سے پوچھا۔

"ارے بھائی کون سا منہ لے کر جاؤ گی وہاں۔ لوگ کیا کہیں گے کہ......!"

"اوہ شٹ اپ....."

جولیا نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے تیزی سے باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

عمران اس کے پیچھے پیچھے تھا۔
